۷ر نومبر ۱۹۸۱ء

THE MESSENGER

FORTNIGHTLY NEWSPAPER

پندرہ روزہ

پیغامبر

(سکاربرو کینیڈا)

پبلشر و ایڈیٹر: سہیل اختر

فون نمبر Tel. (416) 267-8006

جلد ۵ شمارہ ۷۱

چوہدری ظہور الٰہی کے قتل میں استعمال ہونے والا جدید اسلحہ کراچی کے سمندر سے برآمد کرلیا گیا

چار افراد گرفتار، برآمد ہونے والے اسلحہ میں ایل ایم جی، سٹین گنیں اور چالیس بم شامل ہیں

پاکستان کی طرف سے بین الاقوامی خلائی ادارہ قائم کرنے کی تجویز

مشرق وسطیٰ میں جنگ کو کبھی نہیں روکا جا سکتا — نکسن

اسرائیل نے عراق سے پھر جنگ کی تو یہ اس کی خودکشی ہوگی



لندن میں زرخرید دلہنوں کی فروخت کا دھندہ

اندھی دوشیزہ ولور شہزادہ کر

کارنامہ

جو دارکے سہارے پیرا ڈن چڑھا

پاکستانی ہائی جیکروں کے چار ساتھی لیبیا کی فوج میں بھرتی ہو گئے

ہمیں گھر کی یاد بہت ستاتی ہے

رشتہ داروں کے نام قیدیوں کے خطوط

اخبار نویس نے کمپنی کا راز فاش کردیا

مصر کا تاریخی ابوالہول

ندیم نے اداکاری کو خیرباد کہنے کا اعلان کردیا

فلمی صنعت میں میرا وقت بہت عزت و احترام سے گذرا ہے۔ خصوصی انٹرویو

کینیڈا کے انگریزی اخبار "اوٹاوہ سٹیزن" کے پاکستانی صحافیوں کو ایوارڈ دیئے گئے

افسروں کا منہ سونگھا جا سکتا ہے

ایران میں

ایک سال کے دوران حکومت کے مخالف ۱۸ سو سے زیادہ افراد کو ہلاک کیا جا چکا ہے

الوداع!!

اے عالم اسلام کے فردوس گم گشتہ ہسپانیہ کی اس دور افتادہ بستی کے باسیو!

تم شاداں و خنداں رہو کہ تمہارے خاموش پہاڑوں، سرسبز و شاداب کھیتوں اور پہاڑوں کے بیچوں بیچ بل کھاتے برساتی نالے نے میری روح کو تازگی اور شگفتگی عطا کی۔

اے قریہ دلربا! تیری صبح درخشاں اور شام خوش آں کی دلربائی نے مجھ پر سحر سا کر دیا۔

اے صنوبر اور پاپلر کے درختو! افسوس کہ اب میں تمہاری چھاؤں سے محروم ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ جب میں گرمیوں میں کسی گرم دوپہر کو تمہاری کیف آور اور فرحت بخش چھاؤں میں بیٹھتا تب میں حقیقی سکون اور انبساط محسوس کرتا۔

اس بستی کے خاموش، نیک دل، نیک طینت اور محنت شعار مکینو! میں تمہاری محنت کی عظمت کو سلام کرتا ہوں۔ آج میں اداس ہوں کہ تم سے جدا ہو رہا ہوں۔ میں نے یہاں ایک خاصا سکون بخش وقت گذارا ہے۔

اے وادی کوہ و دمن! تیرے خاموش پہاڑوں نے مجھے خاموشی اور مستحکم سوچ عطا کی۔ تیرے چشموں کے شکستہ گیتوں نے مجھے درد و سوز عطا کیا۔ تیری عطر بیز ہواؤں نے مجھے مہک بخشی۔ تیری رنگین فضاؤں نے مجھے مسحور کیا۔

تیری سرسبز وادی نے میرے دیدۂ تر کو نور اور دیدۂ دل کو سرور بخشا۔

تیرے پہاڑوں کی اوٹ سے طلوع ہونے والے سورج نے مجھے دعوت نظارہ دی۔

مجھے سردیوں میں ان برف پوش پہاڑیوں پر سورج کی سنہری کرنیں پڑنے کا منظر دلربا رہے گا۔

میری یہ بھول ہوگی اگر میں اس بستی میں مقیم چند پاکستانیوں کی محبت ایمانی کی داد نہ دوں جنہوں نے گذشتہ رمضان مقدس میں روزے رکھ کر کمال کی ایسی محنت اور جاں توڑ کام کیا اور رات کو تراویح پڑھ کر دوسروں کے لئے ایک مثال قائم کی۔

اے جوانو اور بوڑھو! میں تمہارے ایمان و ایقان کو سلام کرتا ہوں۔ میں تمہارے عزم راسخ کو سلام کرتا ہوں۔ میں تمہارے جلیل مقاصد کو سلام کرتا ہوں۔

اللہ کی رحمتیں ہوں تم پر دن کو صیام رکھنے والو اور رات کو قیام کرنے والو!

تم نے زمین کے سینے میں اتر کر بے پناہ تپش میں اس جگہ کام کیا کہ جس جگہ پانی پیئے بغیر چند لمحے بھی نہیں گذر سکتے۔ تم نے وہاں کئی گھنٹوں کی پیاس برداشت کی کہ جہاں ہر ایک کی زبان پر گویا "العطش العطش" ہوتی ہے۔ اس حالت میں تم نے سولہ سترہ گھنٹوں کا روزہ مکمل کر کے اپنے عیسائی مزدور ساتھیوں کو ششدر کر دیا۔

اے سچے روزہ دارو! تم نے یہ ثابت کر دکھایا کہ اگر مومن کا یقین کامل اور عزم راسخ ہو تو وہ بڑے سے بڑا امتحان دے سکتا ہے اور ابتلا کی بھٹی میں سے کندن بن کر نکل سکتا ہے۔

اے سکون بخش بستی کے مکینو!

میں اب جا رہا ہوں لیکن کوشش کروں گا کہ زندگی کے کسی موڑ پر سکون کی تلاش میں پھر تمہاری بستی میں آنے کی کوشش کروں۔ اور ابھی

(خدا حافظ)

مرسلہ: قاری عبدالعزیز

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

اے ایچ بی ہیبرٹ

میں بلا کسی تردد کے مسیحیت کو ترک کر کے حلقہ بگوش اسلام ہوا ہوں۔ مجھے اس بات کو تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ مسیحیت کے اصول بہت سے فوائد کے حامل اور حق و صداقت پر مبنی ہیں۔ راہب اور پادری صاحبان کی بدعات نے مکمل طور پر اصلی مسیحیت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اور اسے ایک بے جان لاش کی طرح کر دیا ہے۔

مگر اسلام اپنی اصلی صورت پر قائم ہے۔

مجھے ایک ایسے دین کی جستجو تھی جو بدعات وغیرہ سے پاک ہو۔ میں نے اسلام کو اسی لئے قبول کیا ہے کہ وہ میرے دل کو اچھا لگتا ہے۔

اگر آپ کو کبھی عیسائیوں کے گرجے میں جانے کا موقع ملے تو وہاں آپ کو تصاویر، مجسموں اور سامان عیش و نشاط کے سوا کچھ نہیں ملے گا اور ان کے لباس اور ان کے طریق زندگی سے آپ کو پتہ چلے گا کہ انہیں روحانیت سے کچھ بھی تعلق نہیں اور آپ محسوس کریں گے کہ آپ عبادت گاہ کی بجائے کسی بنگلے میں آ نکلے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز میں رکوع و سجود کا منظر بڑا دلآویز ہوتا ہے اور جو اسے دیکھتا ہے اس سے متاثر ہوتا ہے۔ مسجد کی خاموش فضا انسان کو روحانیت کی طرف لے جاتی ہے۔ اس میں صنعت کاری کے ملمع نمونے موجود نہیں ہوتے مگر اس کے برعکس کلیساؤں میں ادبیات کے مظاہر پائے جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ پروٹسٹنٹ فرقہ ان عیوب سے منزہ ہے اور اس نے تصاویر اور مجسموں کو گرجا سے نکال دیا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ پروٹسٹنٹ فرقہ کیتھولک فرقہ کی نسبت اصلی مسیحیت سے زیادہ قریب ہے

لیکن اس کے برعکس میرا ایمان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک نبی تھے میں ان کی الوہیت پر ایمان نہیں رکھتا۔ میں اس عقیدے کے قبول کرنے میں حدیث العہد نہیں ہوں بلکہ پہلے دن سے میرا اس عقیدے پر ایمان ہے اور میں اس رسالے کا برملا اظہار کرتا ہوں۔ اسلام صرف مسیح علیہ السلام ہی کی عزت نہیں کرتا بلکہ تمام ادیان اور ان کے بانیوں کی کھلے دل سے تقدیس کرتا ہے۔

مجھے اسلام سے دیرینہ تعلق ہے مگر جب تک میں نے بے خوف ہو کر اعلان نہیں کیا میرے یقین میں پختگی نہ ہوئی۔ اس معاملے میں یہ دیر کسی انسان یا سوسائٹی کے خوف سے نہیں ہوئی بلکہ میں اسلام کی خوبیوں اور اس کے خصائص سے مکمل طور پر آگاہ ہونا چاہتا تھا۔ جوں جوں میں اسلامی کتب کا مطالعہ کرتا گیا توں توں میرے سامنے دین اسلام کی خوبیاں اور نوع بشر پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات واضح ہوتے چلے گئے اور آخر کار میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

توحید کا جو تصور اسلام کے اندر پایا جاتا ہے وہ کسی دین میں موجود نہیں اس بات سے قبول اسلام میں مجھے بہت مدد ملی۔ اسلام کی اہم خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ صرف روحانی تربیت پر ہی زور نہیں دیتا بلکہ انسان کو دنیاوی زندگی میں بھی ترقی کرنے کی دعوت دیتا ہے وہ رہبانیت اور گوشہ گیری کے نام سے ناآشنا ہے وہ انسان کو یہ نہیں کہتا کہ گھٹ گھٹ کر مر جاؤ بلکہ کارزار حیات میں اسے گھس جانے کی اجازت دیتا ہے اسلام انسانیت کی دینی اور دنیاوی امور میں رہنمائی کرتا ہے اور تمام مراحل حیات میں واضح تعلیمات دیتا ہے۔ اسلام کے نزدیک دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ وہ انسان کو حقوق و واجبات کی ادائیگی سے غافل نہیں ہونے دیتا اس کو تسلیم کرنے میں کوئی اختلاف نہیں کہ موجودہ ادیان کے مقابلہ میں صرف اسلام ہی وہ دین ہے جو ترقی یافتہ دنیا کے شانہ بشانہ چل سکتا ہے۔

اسلام میں ایک خوبی یہ ہے کہ وہ عصبیت، نخوت، تنگ نظری کو پسند نہیں کرتا بلکہ ان چیزوں کا دشمن ہے۔ وہ صرف مسلمانوں کے ساتھ ہی محبت، اخوت اور مروت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ تمام نوع انسانی کے ساتھ حسن سلوک اور محبت کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ منافرت اور عداوت کی بجائے اخوت اور اتحاد کا حکم دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دین نے پہلی مرتبہ انسان کو انسانیت کا سبق دیا۔ آج سے پانچ سال پہلے میں نے اسلام قبول کیا تھا اور جس چیز نے میرے ایمان و یقین کو پختہ کیا وہ اسلام کے پاکیزہ اصول اور اس کی عالمگیر اخوت ہے۔ اس کی مساوات اور ربانی اصولوں کی دنیا بھر میں کوئی مثال موجود نہیں۔

اسلام قبول کیا تو مجھے انتہائی سکون اور اطمینان میسر آیا اور میں نے دنیا میں سعادت حاصل کی۔

پیغامبر

THE MESSENGER

Editor & Publisher SOHAIL AKHTAR Tel. (416) 267-8006

جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں ہیں

۷ر نومبر ۱۹۸۱ء | ۹ر محرم ۱۴۰۲ھ

ہمیں کیا کرنا ہے؟

برطانیہ کے حالیہ فسادات کے بعد ایشین کمیونٹی کے لئے سوچنے کے کئی نکات پیدا ہوئے ہیں۔ بعض ایشائی اخبارات نے ان فسادات کے دوران ایشین کمیونٹی میں خوف و ہراس کی فضا قائم کرنے میں جو کردار ادا کیا اس کردار کو قابلِ تعریف نہیں کہا جا سکتا۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ مقامی ایشین کمیونٹی میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو اپنے اپنے ممالک میں جاکر دوبارہ آباد ہو سکتے ہیں۔ لیکن اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو دوبارہ واپس جاکر دوبارہ آباد ہونے میں مشکلات محسوس کریں گے۔ بالخصوص پاکستانیوں کی نئی نسل جو یہاں پل کر جوان ہوئی ہے، اس نسل کے لئے ممکن نہیں ہو گا کہ وہ پاکستان واپس جاکر آسانی سے آباد ہو سکے۔ ایشین کمیونٹی کے لیڈروں کا فرض ہے کہ اس بارے میں اپنا لائحہ عمل تیار کریں کہ اس صورتِ حال سے نپٹنے کے لئے کیا کرنا ہو گا؟

یہ فسادات مقامی ایشین کمیونٹی کو ایک ہی پیغام دیتے نظر آتے ہیں اور وہ پیغام ہے اتحاد۔ اگر ہماری کمیونٹی اپنے اندر اس انداز کا اتحاد پیدا کرے کہ وہ ایک پروگرام پہ متحد ہو کر ایک لیڈر شپ کے تحت کام کر سکے۔ تو یقیناً برطانوی معاشرے میں اس کمیونٹی کا ایک مقام پیدا ہو سکتا ہے۔

سچی باتیں

(از مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم)

کلکتہ کی مشہور رقاصہ، جس کے گانے کی دھوم سارے ہندوستان میں مچی ہوئی تھی، مر گئی۔ مسلمان گھر میں پیدا ہوئی، خدا کرے موت بھی مسلمانوں کی طرح آئی ہو، اخبارات میں چھپ رہا ہے کہ اتنا چھوڑ کر مری۔ یہ کوئی نہیں لکھتا کہ ساتھ لے کر کیا گئی۔ دنیا میں گانے کے فن کی سگھڑ کی، اداؤں کی بڑی قدر ہوئی۔ خدا معلوم یہ قدر دانیاں اس وقت کیا کام آئیں، جب روح جسم کے پور پور سے کھنچنے لگی۔ آنکھیں پتھرانے لگیں، اور سانس گلے میں رکنے لگی۔ محفلوں میں خوب واہ واہ ہوتی رہتی تھی معلوم نہیں ملک الموت نے ان کمالات کی کہاں تک قدر کی زندگی میں بہتوں کے دل لبھائے ہتوں کی جانیں لیں، جب خود اپنی جان پر آبنی، جب وقت کے ایک ایک لمحہ کے حساب دینے کا وقت آ پہونچا اس وقت اپنے دل پر کیا گزری؟ جو گزر جانے والی دنیا تھی، گزر کر رہی جو رہنے والی زندگی حاصل ہوئی، وہاں کیا بیتی؟ زندگی میں تصویریں کھینچنے والے بہت سے تھے، سکرات موت کے وقت کا نقشہ کسی نے نہ کھینچا۔

امریکہ سے خبر آئی ہے کہ وہاں کی مشہور رقاصہ اور ایکٹریس مسز ریٹا لانڈک دنیا سے رخصت ہو گئی۔ کسی ملک میں نہیں، ساری متمدن دنیا میں شہرت و ناموری حاصل تھی۔ امریکہ اور فرانس، یہ دو ملک خاص طور پر حسن صورت و حسن صوت کے قدردان تھے۔ متمدن دنیا کا کوئی نگار خانہ (آرٹ گیلری) دیا نہیں، جہاں ریٹا کا مرقع آویزاں نہ ہو بڑے بڑے اہل فن نقاش اسی تمنا میں رہتے تھے کہ ملکہ حسن انہیں تصویر کشی کا موقع دے۔ حسن و جمال کا یہ عالم کہ جدھر گزر گئی، ایک قیامت برپا ہو گئی۔ خوش گلوئی کا یہ کمال کہ منہ سے ادھر بول نکلے اور ادھر ساری محفل لوٹ گئی۔ قدردانی اور قدرافزائی کی انتہا نہیں۔ اخباروں اور رسالوں میں باربار چھپتا تھا کہ دنیا سے زیادہ کسی عورت کی فوٹو تصویریں نہیں کھینچی گئی ہیں دولت کا یہ حال، کہ اچھے اچھے کھرپتی امیروں کو رشک۔ ابھی یہ سب کچھ تھا ابھی زمانے نے رنگ بدلا۔ حسن کی دیوی بیمار پڑی، اور بیماری سے اٹھی تو سارے قدردان اور سارے جاں نثار رخصت! کتابوں کا ذخیرہ فروخت کیا۔ وہ ہزار ڈالرے اور قیمت آئی۔ فرنیچر کی نوبت آئی — پونے چار لاکھ ڈالر پر نیلام ہوا۔ افلاس اس سے بھی دو چند ہوا اور جب موت کا وقت آیا، تو جس رقاصہ کے خرام ناز کے لیے ایک عالم آنکھیں بچھاتا تھا، اس نے اپنے آپ کو بے مونس و بے غم خوار تنہا و بے کس، ایک تنگ و تاریک کمرے کے اندر، بند و لاعزیز اور دوزانہ بستر پر دم توڑتے پایا! اور اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہو گئی۔

جلووں کی واہ واہ ختم ہو گئی۔ اہل محفل کی داد خاموش ہو گئی، قدرداں کی قدردانی کچھ کام نہ آئی۔ حرام کی کمائی نے ساتھ نہ دیا۔ لاکھوں ہی کمائے اور پھر لاکھوں ہی اڑائے۔ جب وہ وقت آیا جس کا آنا سب کے لیے لازم ہے، تو آنکھیں کھلیں اور تب معلوم ہوا کہ کام آنے والی چیزیں کیا تھیں! شریک غفلت سب تھے، شریک عاقبت کوئی نہ ہوا! عمر بھر کی گناہوں کا بوجھ سر پر اور سابقہ بالآخر اس سے پڑ کر رہا، جس کے دربار میں زندگی کی ایک ایک سانس کا اور وقت کے ایک ایک لمحہ کا حساب دینا ہے! کاش یہ وقت یاد رہا ہوتا! — کاش اوروں کو دیکھ کر ہم کو اور آپ کو یہ وقت یاد رہے!

کرنیں

مینا

گزرے لمحوں کے نقش لازوال ہوتے ہیں جب کسی عزیز ہستی کے ساتھ گزرے ہوئے لمحے یاد ماضی بن کر دل کے آنگن میں اترتے ہیں تو دل رو دیتا ہے لیکن ہونٹ..... مسکراتے ہیں۔

ملک گلزار حسین

اگر انسان کی آنکھوں میں بینائی ہو تو ہر انسان کے چہرے سے ہزار داستانیں پڑھی جا سکتی ہیں چہرہ انسان کے ذہن کی تصویر ہوتا ہے۔ جتنا علم کتابوں سے پڑھ کر حاصل ہوتا ہے، اتنا ہی انسانوں کے چہروں کو پڑھ کر حاصل ہوتا ہے۔ کبھی کبھی خاموش چہرے بھی صدائیں دینے لگتے ہیں۔ مسرت اور رحمت چہرے کو خوب صورت بنا دیتے ہیں۔

ایم صادق ملک

زندگی میں ہر انسان اچھے دنوں کا متلاشی ہے، وہ کبھی ان دنوں کو گل کی صورت میں کبھی اس کی مہک میں، کبھی بلبلوں کی چہک میں تو کبھی کلیوں کی چٹک میں۔ کبھی جھرنے کے گیتوں میں، تو کبھی چاندنی کی حسین کرنوں میں، کبھی بلبل کے نغمہ میں تو کبھی کوئل کی میٹھی آواز میں تلاش کرتا ہے اور بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اس جستجو میں اپنی زندگی کے آخری ایام ختم کر دیتے ہیں۔

محمود حسین

خوشبو بہار کی علامت خوشی کا پیغام دیتی ہے، مگر تنہا انسان کے لئے۔ دکھی انسان کے لئے یہی خوشبو بے قراریاں لاتی ہیں۔ اور جذبات سے عاری انسان جس کے دل میں محبت کے پھول نہ کھلے ہوں وہ بھلا پھولوں کی قدر کیا جانے۔

فریدہ

تمام دنیا کی بادشاہت مل جائے، لیکن باوفا اور فرض شناس عورت نہ ہو تو مرد بھکاری ہے ایسے بادشاہ سے وہ کنگال بہتر ہے جسے سارا دن محنت کرنے کے بعد شام کو عورت کی وہ مسکراہٹ ملتی ہے جس سے سارا دکھ بھول جاتا ہے۔

الطاف پروانہ

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کی زبان سے نکلے ہوئے چند الفاظ ہماری سوچوں کے انداز یکسر بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ اور ہمارے خیالات کو اس قدر پریشان کرتے ہیں کہ ہم اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے حسین خوابوں کے دھنک رنگ پیرہن تار تار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

زاہد محمود

دنیا مکافات عمل ہے اور خدا کی لاٹھی کسی بھی مجرم کو نہیں بخشتی۔ کبھی نہ کبھی وہ ضرور برستی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی اس لاٹھی کی چوٹ سے بلبلا اٹھتا ہے اور کوئی اپنے اعمال کا بدل سمجھ کر خاموش ہو جاتا ہے۔

سعیدہ

آفتاب کی روشنی میں ہم ان ستاروں کو بھول جاتے ہیں جو رات کی تاریکی میں بھٹکنے والے قافلوں کو منزل کی راہ دکھاتے ہیں۔ ہر قوم کی فتوحات کسی رجل عظیم کے ساتھ منسوب کی جاتی ہیں اور مورخ کا قلم ہمیشہ ان گمنام سپاہیوں کا تذکرہ کرنے سے قاصر رہتا ہے جن کے خون کی روشنائی سے تاریخ کے نئے نئے عنوان لکھے جاتے ہیں ہم قوم اپنی عظمت کے تاج محل کو کسی شاہجہان کے خواب کی تعبیر سمجھتی ہے۔ لیکن ہر تاج محل کی عظمت ان خاموش معماروں کی مرہونِ احسان ہے جن کا پسینہ پتھر کو موتی کی چمک اور پھول کی رعنائی عطا کرتا ہے۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی آپ کی خدمت

میں کوشاں

تازہ حلال گوشت • تازہ حلال مرغیاں

ہر قسم کی اعلیٰ گروسری ۔ تازہ سبزیاں

ہر قسم کی کھانے پینے کی اشیا مثلاً آٹا، چاول
دالیں لذیذ اور عمدہ مصالحہ جات، تازہ سبزیاں اور
دوسرا سامان حاصل کرنے کیلئے ہماری خدمات
حاصل کرکے وقت اور پیسہ بچائیے۔

بہترین اور فوری سروس دیانتداری ہماری اہم خصوصیات ہیں

HOUSE OF HALAL MEAT
803 Danforth Avenue
Toronto, Ontario
Please Call ISMAIL At
461-2839

Ontario

حکومتی اشتہارات اور نشرواشاعت میں رنگ ونسل کو استعمال کرنے کیلئے جو ٹاسک فورس قائم کی گئی ہے وہ فرد واحد یا گروپ کو اپنے نکتۂ نظر پیش کرنے کی دعوت دیتی ہے ۔ جو حکومت اونٹاریو کے اشتہارات اور نشرواشاعت میں نسل اقلیتوں کی آبادی کو شامل کرنے کے خواہاں ہیں۔

ان نظریات پر ٹاسک فورس اونٹاریو کی ترقی کی پالیسی کے تحت غور کرے گی۔

اپنے اپنے نکتہ ہائے نظریات ۱۵ جنوری ۱۹۸۲ء سے پہلے تحریری طور پر درج ذیل پتہ پر بھیجیں

The Task Force on the Portrayal of
Racial Diversity in Government Advertising
and Communications
The Cabinet Office, Room 369
Parliament Buildings
Queen's Park
Toronto, Ontario
M7A 1A1

Douglas Ewart
Chairman



PRINTING

• عید کارڈ • شادی کارڈ • سہرا • دعوت نامے • لفافے
• لیٹر ہیڈ • فائل کور • ہر سائز کے ڈبے • لیبل • بزنس کارڈ
• ناول اور رسالہ • پمفلٹ وغیرہ کی

چھپائی کیلئے ہمیں خدمت

کا موقع دیجئے ۔

نوٹ : اردو چھپائی کیلئے کتابت کی سہولت مہیا کی جاسکتی ہے

آج ہی فون کیجئے۔

محمد فاروق 368-4067 / 656-2822 ٹورانٹو

ALAM FIVE STAR Co.
727 KING ST., WEST, TORONTO, ONT. M5V 1M9

مکان ہو یا دکان

ہر قسم کی پراپرٹی کی خرید و فروخت کیلئے ہم آپ کو بہترین مشورہ دیتے ہیں۔ آج ہی مکمل لسٹ کیلئے فون کریں یا خود ملیں

20th YEAR

REAL ESTATE SERVICE
"in a business-like way!"



SCARBOROUGH
2300 LAWRENCE E.
(White Shield Plaza)

Bus. 751-6533
Res. 291-1805

SHAKU MERCHANT

ماہنامہ MONTHLY AAWAZ

آواز

اسکاربرو کنیڈا

مدیر: سہیل اختر

نومبر ۱۹۸۱ء



قہقہے زندگی بڑھاتے ہیں اور مسکراہٹ ......؟

غزلیں

ساجد امجد

قدم آباد ہوئی دسعت صحرا ہم سے
کوچہ گردوں میں کہاں بادیہ پیما ہم سے

اسطرح گرد ہوئے ہم کہ نہ ہوگا کوئی
رخ ہوا کا خس و خاشاک نے پوچھا ہم سے

شاید اس رات اسے دیکھ کے دیکھا تھا ہمیں
بے دھڑک آنکھ ملاتا تھا ستارا ہم سے

ہم سبک سیر سر ساحل غم تھے پھر بھی
نظر انداز ہوئی موج نہ دریا ہم سے

اور کچھ روز یہ چہرہ ہے یہ آنکھیں ہیں یہ خواب
اور کچھ روز رہے گا یہ تماشا ہم سے

یہ عجب شہر ہے سب ایک سے چہرے ہیں یہاں
کون جانے کہ ابھی کون ملا تھا ہم سے

ہم کو پہلے بھی نہ ملنے کی شکایت کب تھی
اب جو ہے ترک مراسم کا بہانہ ہم سے

اپنے سب فیصلے اس آنکھ سے وابستہ ہیں
زیدنی ہوگا مآل غم دنیا ہم سے

اس کے دم سے تھا وہ گریہ بزم کہ جیسا ساجد
کوئی محفل ہوئی آباد نہ تنہا ہم سے

اعزاز احمد آذر

اداس رات کا لمحہ یہ ایک سا ہوگا
اڑی ہے نیند مری وہ بھی جاگتا ہوگا

وصال لمحہ تو ریگ رواں کی صورت ہے
سمیٹنے سے بھی پہلے بکھر چکا ہوگا

میں اسکے ہاتھ کی ریکھاؤں پہ لکھا کہ بھی
بچھڑ گیا ہے تو اب ہاتھ مل رہا ہوگا

فصیل جسم کے اندر کبھی اکیلے میں
وہ ایک شور سا تو نے بھی تو سنا ہوگا

ملی ہیں نفرتیں اس سے محبتوں کے عوض
سنا تو یہ تھا بھلائی کا رد بھلا ہوگا

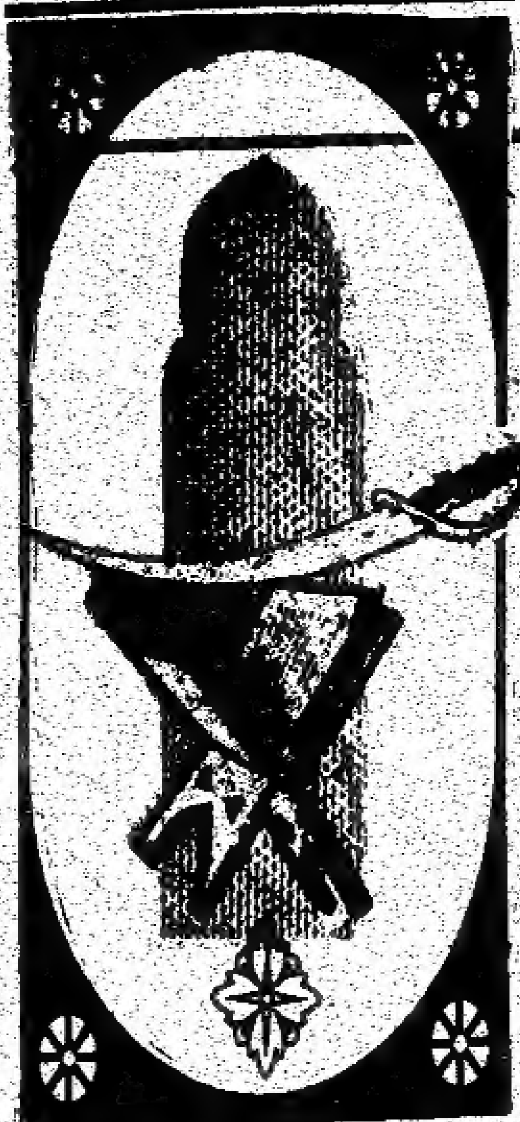
کسے خبر تھی کہ اک ساتھ رہنے والوں کو
ارے خدا یہ زمانہ بھی دیکھنا ہوگا

پھرا کیے رہی تھی آذر کو جستجو ہر دم
تجھے نہ پایا تو اب خود کو ڈھونڈتا ہوگا



تاریخ کے جھروکوں سے

حسنین بخاری



تخت و تاج کی ہوس نے کمرانیاں کہاں بیٹھے ہی اور قوموں کو تباہ و برباد کیا ہے۔ اس کی ایک مثال سپین کے اس دور سے ہے جب وہاں اسلامی پرچم کی حکمرانی تھی۔ حکمرانوں کے دلوں میں خوفِ خدا رچا رہا، وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندے اور قوم کے غلام سمجھتے رہے تو وہاں اسلام کا بول بالا رہا۔ مگر بعد میں آنے والے دور میں حکمرانی کی ہوس لئے اور خدا کی بادشاہی کی بجائے اپنے آپ کو بادشاہ سمجھنے لگے تو اسلام کا پرچم سرنگوں ہونے لگا۔

۹۱۳ء میں عبدالرحمٰن سوم سپین کا سلطان تھا۔ زہد و تقویٰ اور عدل و انصاف کا شیدائی تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام الحکم اور دوسرے کا

کی عمری ابھی کم تھی۔ فوج نے انہیں بے خبری میں جا لیا۔ باغیوں نے ہتھیار ڈال دیئے عبداللہ عبدالدار پکڑے گئے۔ عبدالرحمٰن نے دونوں کو قید خانے کے الگ الگ کمروں میں بند کرنے کا اور ان کے جرم کی تحقیقات کا حکم دیا۔ عبدالدار نے قید خانے میں پہلی ہی رات خودکشی کر لی۔ عبداللہ کے خلاف بغاوت اور فوج کے متعدد افراد کے قتل کا جرم ثابت ہوگیا۔ قاضی نے اس کے لئے سزائے موت لکھ دی۔ عبدالرحمٰن نے اپنے بیٹے کی سزائے موت پر اپنی مہر ثبت کر دی۔ عبداللہ کے چھوٹے بھائی الحکم نے اپنے باپ سے التجا کی کہ وہ آخر آپ کا بیٹا اور میرا بھائی ہے اسے بخش دیا جائے۔

• کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اپنے جوان بیٹے کو

بادشاہ اور باپ

عبداللہ تھا۔ عبدالرحمٰن سوم بڑھاپے کی عمر کو پہنچا تو اس نے دونوں بیٹوں میں سے ایک کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ بیٹے دونوں ذہین تھے۔ عبداللہ میں قدرے خودسری پائی جاتی تھی جو گھر کی دیواروں کے اندر تو قابل قبول تھی، ملک کا سربراہ ملک کے اندر ملک و ملت کیلئے نقصان کا باعث بن سکتی تھی۔ سلطان یا بادشاہ کا حلیم طبع اور بردبار ہونا عبدالرحمٰن کے نزدیک اچھا وصف تھا۔ چنانچہ اس نے الحکم کو اپنا جانشین مقرر کرکے اس کا اعلان کر دیا۔

دارالسلطنت میں عبدالدار نام کا ایک قانون دان اور عالم تھا لیکن وہ مذہب پسند تھا۔ وہ توقع لئے بیٹھا تھا کہ اسے سلطنت کا قاضی القضاۃ بنایا جائے گا۔ غالباً اسی مقصد کیلئے اس نے عبدالرحمٰن کے بیٹے عبداللہ کو اپنا دوست بنا رکھا تھا۔ عبداللہ نے اپنے باپ سے کہا بھی تھا کہ عبدالدار اس قابل ہے کہ اسے قاضی القضاۃ بنا دیا جائے، مگر کسی وجہ سے عبدالرحمٰن اسے یہ عہدہ نہ دے سکا۔

اب عبدالرحمٰن نے عبداللہ کو نظرانداز کر کے الحکم کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تو عبدالدار قاضی کا عہدہ نہ ملنے کی وجہ سے حکومت سے انتقام لینے کے اوچھے ہتھیاروں پر اتر آیا۔ اس نے عبداللہ کو اپنا آلۂ کار بنانے کی ٹھان لی۔ اور اسے بھڑکا کر بڑے بھائی کی بجائے چھوٹے بھائی کو جانشین مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹا بھائی مسند اقتدار پر بیٹھ کر بڑے بھائی پر حکومت کرے گا۔ عبدالدار نے عبداللہ کو خوب اکسایا اور بھڑکایا اور اسے یہ بھی کہا کہ وہ اپنا حق بزور شمشیر حاصل کرے۔ اس کا اس نے طریقہ یہ بتایا کہ عیسائی تباہی چپے چپے در پردہ اسلامی سلطنت کو ختم کرنے کے لئے کہیں نہ کہیں مسلح بغاوت کرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا عبداللہ یوں کرے کہ کسی علاقے میں چل کر عیسائی فوج کا قائد کو ساتھ ملا لے اور سلطنت کے خلاف بغاوت کر دے۔ عبدالدار نے اسے کہا کہ وہ اس کے ساتھ ہوگا۔

عبداللہ کی خودسری نے اس کی عقل پر پردہ ڈال دیا اور تخت و تاج کی ہوس نے اسے باؤلا کر دیا۔ ایک روز وہ گھر سے غائب ہوگیا۔ عبدالدار کے کچھ لوگ معتقد تھے۔ اس نے ان میں سے چند آدمی ساتھ لے لئے اور اس نے کچھ عیسائی قبیلے تک بھی رسائی حاصل کر لی۔ انہیں عبدالدار اور عبداللہ نے بغاوت پر آمادہ کر لیا۔ وہ لوگ اس لئے فوراً آمادہ ہوگئے کہ بادشاہ کا اپنا بیٹا بغاوت میں شریک تھا۔

ایک طرف تو بغاوت شروع کر دی گئی باغیوں نے قرطبہ کے گرد و نواح میں فوجی چوکیوں پر چھاپے مارے۔ دوسری طرف عبدالرحمٰن سوم اور الحکم کے قتل کی سکیم بنائی گئی۔ یہ کام ان مسلمانوں کو سونپا گیا جو عبدالدار کے معتقد تھے۔ وہ قتل کے لئے چل پڑے۔ لیکن دن کے وقت عبدالرحمٰن سوم کے دربار میں جا پہنچے۔

• دربار زدہ ہسپانیہ کا اقبال بلند ہو۔

ان میں سے ایک نے عبدالرحمٰن سوم سے کہا۔ ہم آپ کو اور آپ کے بیٹے ولی عہد الحکم کو قتل کرنے آئے ہیں۔

دربار پر سناٹا طاری ہوگیا۔ عبدالرحمٰن سوم بلند اخلاق انسان تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ اسی سازش کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے جو سپین کے کسی نہ کسی گوشے سے سر اٹھاتی رہتی ہے۔ اور یہ لوگ کوئی راز فاش کرنے آئے ہیں۔

• تمہیں ہمارے اور ہمارے بیٹے کے قتل کے لئے کس نے بھیجا ہے؟ عبدالرحمٰن سوم نے پوچھا اور کیا سبب ہے کہ تم نے ہمیں دربار میں آکر ہمیں للکارا ہے؟

ہمیں آپ کے بیٹے عبداللہ اور عبدالدار نے بھیجا ہے۔ اس شخص نے جواب دیا۔ اور ہم نے فرمانروائے ہسپانیہ کو للکارنے کی جرات نہیں کی۔ ہم عبدالدار کو ایک عالم سمجھتے تھے جس کے فتوے مستند ہوتے ہیں۔ یہی باعث تھا کہ ہم اس کے معتقد تھے مگر اللہ نے ہم پر ثابت کر دیا ہے کہ علم اور ایمان کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ جو علم ایک عادل بادشاہ کو قتل کرنے کی اجازت دے۔ اس سے ہم بے علم اچھے۔ ہم نے آپ کے بیٹے عبداللہ اور عبدالدار سے کہا کہ ہم آپ کو قتل کر آئیں گے لیکن ہم نے دل سے اس اقدام کو رد کردیا۔ ہم کسی انعام کے لالچ میں مخبری نہیں کر رہے ہم اسلام کی عظمت کی خاطر یہ راز فاش کر رہے ہیں کہ قرطبہ کے گرد و نواح میں سلطنت کے خلاف بغاوت شروع ہو چکی ہے، اور یہ بغاوت اس تخت کے لئے ہے جس پر آپ بیٹھے ہیں۔

• تم انعام کے مستحق ہو۔ عبدالرحمٰن سوم نے کہا۔ • اور اگر تمہارا الزام سچا نہ ہوا تو تم ہمارے حکم سے قتل ہو گے۔

• ہم انعام کے مستحق نہیں۔ اس شخص نے کہا۔ • ہم نے آپ کی جان نہیں بچائی، ہم سلطنت کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں یہ سلطنت صرف آپ کی نہیں ہماری بھی ہے۔ یہ ہمارا اور ہر کسی کا فرض ہے کہ سلطنت کو دشمنوں سے بچائے۔ فرض ادا کرنے کی اجرت نہیں لی جاتی۔

تھوڑی دیر بعد الزام سچ ثابت ہوگیا۔ اطلاع آگئی کہ باغیوں نے فوجی چوکیوں پر حملے شروع کر دیئے ہیں۔ عبدالرحمٰن سوم نے اسی وقت اپنے سالار کو حکم دیا کہ باغیوں کے خلاف فوراً فوج روانہ کی جائے اور ان کے سرغنوں کو زندہ پکڑا جائے۔

بغاوت ابھی شروع ہی ہوئی تھی باغیوں

جلاد کے حوالے کر کے خوش رہوں گا۔ عبدالرحمٰن سوم نے کہا۔ کل جب جلاد کی تلوار اس کا سر اس کے دھڑ سے جدا کر دے گی تو میرا دل کٹ جائے گا۔ مگر میں نے اسے زندہ رہنے دیا تو یہ سلطنت کٹ کر ختم ہو جائے گی۔ عبداللہ کے مرنے پر صرف میں روؤں گا، تم روؤ گے، تمہاری ماں اور تمہاری بہنیں روئیں گی، اگر وہ زندہ رہا تو اسلام کی تاریخ روئے گی۔

الحکم اپنے باپ کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے باپ کی بات کا سر پیر ڈھونڈ رہا ہو۔

جب قوم میں تخت و تاج کے ہوس کار پیدا ہو جائیں تو اس وقت قوم کا زوال شروع ہو جاتا ہے

• سن میرے بیٹے۔ عبدالرحمٰن سوم نے کہا۔ تو نہیں سمجھ سکا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ کسی بھی قوم میں جب ایسے چند ایک لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جن کے دلوں میں تخت و تاج کی ہوس ہوتی ہے تو قوم کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اقتدار پرستوں کی تمام تر توجہ اقتدار حاصل کرنے اور اگر مل جائے تو اس کا تحفظ کرنے پر مرکوز رہتی ہے۔ ان میں سے جو اقتدار سے محروم رہ جاتے ہیں وہ تخت و تاج کے لئے خطرہ بن جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس تاج کو اپنے سر پر سجانا چاہتے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے تمہیں اپنا جانشین مقرر کیا تو تیرے بھائی نے بغاوت کر دی۔

عبداللہ مر گیا تو
صرف ہم روئیں گے
اگر زندہ رہا تو
پوری قوم روئے گی

اس سے ظاہر ہوا کہ وہ ملک اور قوم کی بہتری نہیں بادشاہی چاہتا ہے۔ میں اسے اس ملک کا بادشاہ بننے کے قابل نہیں سمجھتا جو غدار ہے ہوں...

اگر میں اسے بخش دوں تو میرے مرنے کے بعد تم دونوں کے درمیان یہ مسند جھگڑا بنی رہے گی۔ تم دونوں کی توجہ ملک اور قوم سے ہٹ جائیگی، تم ایک دوسرے کے تختے الٹو گے اور بیچ ایک دوسرے سے بادشاہی چھینو گے۔ ایسی قومیں ہو گزری ہیں جنہیں چند ایک آدمیوں کی ہوس تاج و تخت نے تباہ کیا ہے سزا صرف ان لوگوں کو نہیں ملتی جو حکومت کے لالچی ہوتے ہیں۔ پوری قوم تباہ ہوتی ہے

باقی صفحہ ۔ پر

MONTHLY AAWAZ

ماہنامہ آواز
اسکاربرو، کینیڈا

پبلشر: ظہیر مودی
ایڈیٹر: سہیل اختر

۴۸۹

اپنا تو کام ہے کہ جلاتے چلو چراغ
رستے میں خواہ دوست کہ دشمن کا گھر ملے

پاکستان کی دولت مشترکہ میں شمولیت

جتنا بھی فرنگی سے تعلق ہے بہت ہے
ہے دولت مشترکہ فقط جھوٹا سہارا
انگریز کہ ہے نسل پرستی کی علامت
اور عدل و مساوات ہے اسلام کا نعرہ
اک ملت اسلام ہے اک کفر کی ملت
ممکن ہی نہیں ایک ہو دونوں کا ادارہ

مرتبہ
شائستہ خاں
ٹورانٹو



بچوں کی دنیا

حضرت علیؓ کا بچپن

تحریر: عبدالغنی شمس

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر اسلام پھیلانے کا حکم دیا تو آپ نے اس بڑے کام میں مدد کے لئے اپنے خاص رشتہ داروں کو اپنے گھر پر بلایا اور ان کی دعوت کی۔ اس دعوت میں چالیس آدمیوں نے شرکت کی۔

جب تمام لوگ کھانے پینے سے فارغ ہو کر اطمینان سے بیٹھ گئے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اپنے بھائیوں سے فرمایا خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں۔ سنو، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا نبی اور رسول بنا کر بھیجا ہے اور دنیا میں اسلام پھیلانے کا حکم دیا ہے اب میرا کام یہ ہے کہ میں برائیوں کو دور کروں اور لوگوں کو نیک اور اچھا بناؤں بتاؤ تم لوگوں میں سے کون میرا ساتھ دینے اور میری مدد کرنے کے لئے تیار ہے؟!

حضرت محمدؐ کی باتیں سن کر حاضرین پر کافی دیر تک ایک سناٹا چھایا رہا۔ مگر ان میں سے ایک دبلا پتلا لڑکا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی پتلی پتلی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں اس لڑکے کی عمر اس وقت گیارہ بارہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ وہ بہادر اور ہمت والا لڑکا بڑی شان سے بولا۔

"اے اللہ کے رسول! اگرچہ میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں۔ میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میری آنکھیں دکھ آئی ہیں پھر بھی میں آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔"

سب لوگ اس لڑکے کی ہمت اور اس کے بلند حوصلے کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ جلسہ ختم ہو گیا اور تمام لوگ اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ کم سن مجاہد حضرت علی تھے۔ جنہوں نے بڑے ہو کر اسلام کے بڑے بڑے کارنامے پیش کئے اور شیر خدا کہلائے۔

حضرت علیؓ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت سے دس سال قبل مکے میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد کا نام ابوطالب تھا جو رسولؐ پاک کے چچا تھے۔ اور آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد تھا۔ حضرت علی کے والد ابو طالب کی شادی اپنے چچا کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ اس لئے آپ رسول پاک کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

حضرت علی رضؓ جب پانچ سال کے ہوئے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پرورش کا کام اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ اس وقت سے لے کر رسولؐ پاک کی وفات تک حضرت علی رضؓ برابر حضور کے ساتھ رہے۔

حضرت علی رضؓ بچپن ہی سے بہت نیک اور سمجھ دار تھے۔ ہر وقت رسولؐ پاک کے پاس رہنے کی وجہ سے ان میں چھوٹی سی عمر میں ہی وہ ساری خوبیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ جن سے اکثر بڑے لوگ بھی محروم رہا کرتے ہیں۔

اس زمانے میں عرب میں عام طور پر تعلیم کا رواج نہ تھا۔ اس کے باوجود حضرت علی رضؓ کو لکھنے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اور انھوں نے کم سنی ہی میں کافی حد تک لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔

حضرت علی رضؓ اسلامی اخلاق کے اعلیٰ نمونہ تھے۔ آپ دیانت، امانت اور پرہیزگاری میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے روپیہ پیسہ آتا تھا تو سارے کا سارا خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔

حضرت علی رضؓ دنیا کی شان و شوکت اور امیرانہ ٹھاٹ باٹ سے دور رہتے تھے اور خلیفہ ہونے کے باوجود نہایت ہی سادگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت علی رضؓ کا لباس بہت ہی معمولی ہوتا تھا۔ اور کھانا بھی بہت ہی معمولی کھاتے تھے۔ جو کی روٹی آپ کی خاص غذا تھی ——!

لطیفے

عتیق الرحمٰن

ایک ڈاکٹر نے ایک شخص کو دوا دی اور اپنی فیس کا بل بھیجا۔ جس پر لکھا ہوا تھا۔ "یہ بل ایک سال کا ہو گیا۔"

اس شخص نے بل پر لکھ کر واپس کر دیا "سالگرہ مبارک ہو۔"

ایک دوست: مجھے تنگ نہ کرو۔ آج میرا موڈ آف ہے۔

دوسرا دوست: یار تم کبھی آن بھی ہوتے ہو۔ کبھی آن۔ مجھے ڈر ہے کہیں تمہارا فیوز ہی نہ اڑ جائے۔

مریض: کل رات بڑی سردی تھی۔

ڈاکٹر: کیا دانت بھی بج رہے تھے۔

مریض: اس کا مجھے علم نہیں۔ کیوں کہ وہ میز پر پڑے تھے۔

ایک سیاح دنیا بھر کی سیر کرتا ہوا ایک گاؤں میں گیا وہاں ایک نہایت سیدھے سادے بوڑھے سے پوچھا:

کیا اس گاؤں میں کوئی بڑا آدمی بھی پیدا ہوا ہے؟

بوڑھے نے کہا:

جی نہیں! یہاں صرف چھوٹے بچے پیدا ہوتے ہیں۔

اچھے بچے یوں کھانا کھاتے ہیں!

اچھے بچے کھانے سے پہلے اپنے ناخن اس طرح تراشتے ہیں کہ ناخن انگلیوں کے گوشت کے بالکل برابر ہو جائیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ ناخنوں کی جڑوں میں ایک خاص قسم کا میل ہوتا ہے۔ جو کھانے کے ساتھ پیٹ میں اتر جاتا ہے اور پیٹ کے اندر جا کر اس جگہ کو خاص طور پر بیمار بنا دیتا ہے جہاں کھانا ہضم ہونے کے لئے پیٹ میں جمع ہوتا ہے۔ اس لئے جو بچیاں اچھی ہوتی ہیں ان کے ناخن چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے نہیں ہوتے۔ اچھے بچوں کے ہاتھ اور ناخن ہمیشہ صاف ہوتے ہیں۔ پھر بھی اچھے بچے کھانے سے پہلے ہاتھ اچھی طرح دھو کر صاف کر لیتے ہیں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر کوئی میل رہ جاتی ہے تو دور ہو جاتی ہے ہاتھ دھونے کے بعد دسترخوان پر جہاں کھانا چنا ہوتا ہے وہاں دو زانو ہو کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی کھانے کے لئے بیٹھا کرتے تھے۔ حکیم اور ڈاکٹر بھی کہتے ہیں کہ کھانے کے لئے اس طرح بیٹھنا سب سے اچھا ہے۔ اس سے آرام ملتا ہے۔ آدمی کھانا بھی دیر تک بیٹھ سکتا ہے۔ اچھے بچے کھانے کے سامنے بیٹھتے ہیں تو پیٹھ کسی چیز سے نہیں لگاتے کیونکہ پیٹھ لگانے سے پیٹ آرام کرنے لگتا ہے۔ کھانا اندر ٹھیک سے نہیں پہنچتا۔ اس لئے ہضم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے بیٹھتے ہیں پھر بیٹھنے کے بعد کھانے کو گھور کر نہیں دیکھتے دوسروں کو کھانا دیتے ہیں پہلے داہنی طرف والوں کو۔ اس کے بعد بائیں طرف والوں کو۔ اور بعد میں خود لیتے ہیں۔ تھوڑا تھوڑا کھانا لیتے ہیں بہت سارا بلکہ اپنی رکابی میں ڈھیر نہیں لگاتے اگر کھانا گرم ہے تو ذرا توقف کرتے ہیں۔ گرم کھانے سے دانت خراب ہو جاتے ہیں اور آنتوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے پھر جب دوسرے کھانا شروع کر دیتے ہیں تب اپنا اپنا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھاتے ہیں پھر لقمہ سامنے سے اور رکابی کے کنارے سے اٹھاتے ہیں۔ بیچ رکابی سے نہیں اٹھاتے ——— اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کھانا شروع کرتے ہیں جلدی جلدی نہیں کھاتے جب ایک لقمہ نگل لیتے ہیں تب دوسرا لقمہ منہ میں رکھتے ہیں۔ خوب چبا چبا کر پیٹ میں پہنچنے دیتے۔ اچھے بچے کھانے والوں کو کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھتے جب کھانا کھا لیتے ہیں تو ہاتھ روٹی سے کبھی صاف نہیں کرتے نہ ہی رکابی میں پہلے ہی اتنی چیز لیتے ہیں کہ جب کھانا ختم ہوتا ہے تو رکابی صاف رہتی ہے اچھے بچے اگر دوسروں سے پہلے کھا لیتے ہیں تو جو دوسرے کھا رہے ہوں ان کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھاتے رہتے ہیں یا ان کے پاس بیٹھے رہتے ہیں پھر جب وہ اٹھتے ہیں۔ تب بعد میں خود اٹھتے ہیں پہلے خود نہیں اٹھتے۔ اچھے بچے اگر دوسروں کو اپنے ہاں مہمان بلاتے ہیں تو کھانے کے بعد پہلے دسترخوان اٹھواتے ہیں تب خود اٹھتے ہیں اچھے بچے کھانے کے بعد اچھی طرح ہاتھ منہ دھوتے ہیں۔

خوبصورت شہزادی

ایک غریب آدمی تھا جب اس کو کئی دن سے کام نہیں ملا۔ اور اس کے بیوی بچے بھوک سے تڑپنے لگے تو اس نے اپنی کلہاڑی بیچ دی اس سے جو پیسے ملے اس نے سوچ کر ایک تربوز خرید لیا کہ اس سے میرے بچوں کا پیٹ بھر جائے گا۔ لیکن جب کاٹنے کے لئے اس پر چھری رکھی تو اس میں سے آواز آئی کہ میں شہزادی ہوں۔ مجھے باہر نکالو۔ تربوز آہستہ آہستہ کاٹ کر جو دو ٹکڑے کیا تو اس میں سے ایک ننھی سی خوبصورت سی شہزادی نکلی۔ وہ ریشم کے دھاگے کی طرح تربوز کے اندر لپٹی ہوئی تھی لیکن جب باہر نکلی تو سیدھی کھڑی ہو گئی اور ریشم کے سے دھاگے اسپرنگ کی طرح لڑکی عورت کا بدن بن گئے۔ وہ بہت زیادہ خوبصورت تھی۔ اس کی خوبصورتی کا چرچا جب ملکہ تک پہنچا تو اس نے اسے یہاں بلایا۔ دیکھتے ہی وہ جل اٹھی اور شہزادی کو جادو سے کبوتر بنا کر پنجرے میں بند کر دیا۔ بادشاہ روزانہ اس کبوتر کو پیار کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا تھا کہ اس کی انگلیوں سے کوئی چیز چبھی۔ اس نے نکالا تو کیل تھی۔ کیل نکلتے ہی وہ شہزادی بن گئی اور ملکہ کے سامنے ظلم کا قصہ بادشاہ کو سنایا۔ بادشاہ نے فوراً ہی اس کیل کو سوئی جتنی ملکہ کے سر میں چبھو دیا۔ وہ فوراً کبوتری بن گئی۔ بادشاہ نے اسے اڑا دیا اور خوبصورت شہزادی سے شادی کر کے اس کو اپنی ملکہ بنا لیا۔ شہزادی نے اس غریب مزدور کو جس نے اسے تربوز سے نکالا تھا، بیوی بچوں سمیت اپنے محل میں بلا لیا۔ بدنیت ملکہ دن رات کبوتری بنی گھومتی رہتی۔ اور اچھی نیتوں والے محل میں عیش و آرام سے رہنے لگے۔

بہادر نیلم

شازیہ قدیر

ایک کسان تھا۔ اس کی ایک لڑکی تھی نیلم۔ نیلم کی ماں اس کے پیدا ہوتے ہی مر گئی تھی نیلم کا باپ جب کام پر چلا جاتا تھا تو گھر پر وہ بالکل اکیلی رہ جاتی تھی اس لئے کسان نے دوسری شادی کر لی۔ لیکن کسان کو سکھ کے بجائے دکھ ہی ملا۔ کیونکہ سوتیلی ماں کی وجہ سے نیلم کو بہت تکلیف دینے لگی۔ نیلم ایک دن جب اداس کنوئیں کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ بہت سارے لوگ اس طرف سے بھاگے ہوئے جانے لگے پوچھنے پر نیلم کو معلوم ہوا کہ بادشاہ کے محل میں شیر گھس گیا ہے اور بادشاہ اندر بند ہے۔ فوج باہر کھڑی ہے۔ لیکن شیر محل کے اندر سے نکلتا ہی نہیں۔ نیلم سن کر سوچنے لگی کہ یہاں عقل کی ضرورت ہے۔ یہاں فوج لائی گئی ہے۔ وہ اٹھی اور دوڑتی ہوئی محل کے پاس پہنچ کر نیلم نے فوج سے کہا۔ تم سب یہاں سے چاروں طرف ایک سپاہی بندوق لے کر میرے ساتھ ساتھ رہے اس کے بعد نیلم نے ایک بہت بڑا آئینہ منگوایا۔ اور محل کی چھت پر جا کر آئینہ سورج کی طرف کر کے عکس شیر کی آنکھوں پر اس طرح ڈالا کہ اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ سپاہی تو تیار تھا ہی اس نے بندوق کی گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ شیر ڈھیر ہو گیا بادشاہ کسی ایسی عقلمند عورت کی تلاش میں تھا جس کو وہ اپنی ملکہ بنائے۔ نیلم میں اس کو تمام خوبیاں مل گئیں ایسی عورت اسے اب تک نہیں ملی تھی۔ اس نے اسی روز نیلم سے اپنی شادی کا اعلان کر دیا یہ اعلان جب نیلم کے باپ اور اس کی سوتیلی ماں نے سنا تو دوڑتے ہوئے آئے۔ لیکن نیلم نے جواب دیا کہ آج آئے ہو جب کہ زمانہ نے اپنی جان خطرے میں ڈال دی۔ اتنا کہہ کر اس کی طرف سے ہمیشہ کے لئے منہ پھیر لیا۔



محمد جمیل فاروقی اپنے بھائی محمد ندیم فاروقی کے ساتھ

اقوال زریں

- دوست کی ناکامی پر غمگین ہونا اتنا مشکل نہیں جتنا اس کی کامیابی پر مسرور ہونا۔ (آسکر وائلڈ)
- وقت دولت کی مانند ہے۔ یاد رکھو! تم دولت کما سکتے ہو مگر وقت میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ (فرینکلن)
- کتنے لوگ ہیں جو بولتے سمندروں کی طرح ہیں۔ لیکن ان کی سوچ گندے جوہڑوں کی طرح محدود ہے۔ (خلیل جبران)
- انسان کو دو حادثے پیش آتے ہیں، ایک یہ کہ اس کی دلی خواہش پوری نہ ہو، اور دوسرا یہ کہ اس کی دلی خواہش بر آئے۔ (جارج برنارڈ شا)
- دولت آدمی کو شریف نہیں بنا سکتی۔
- تقدیر ہمیشہ دلیروں کا ساتھ دیتی ہے (ہیرس)
- مجھے آج تک تنہائی سے بہتر کوئی ساتھی نہ ملا۔ (ٹالسٹائی)
- بڑے لوگوں کی زندگیاں بتاتی ہیں کہ ہم اپنی زندگی کو بھی کامیاب بنا سکتے ہیں۔
- انسان مطالعے سے کامل ہوتا ہے گفت و شنید اسے چالاک کر دیتی ہے۔
- خوشی میں دوست پیدا ہوتے ہیں اور مصیبت میں دوستوں کا امتحان ہوتا ہے۔
- اپنی کی گئی غلطیوں سے بھی سبق حاصل کیا جا سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ انسان اپنے عیب کو سامنے رکھ کر سوچے۔
- اللہ کی دوستی اس شخص کے دل میں نہیں ہوتی جس کو خلق سے دوستی نہیں
- عورت کی "ہاں" اور "نہیں" میں اتنا فاصلہ ہوتا ہے کہ ان کے درمیان سوئی بھی نہیں سما سکتی۔
- دشمن سے خطرناک وہ ہے جو دوست بن کر دھوکہ دے۔
- بادل کی طرح رہو جو صرف پھولوں پر ہی نہیں کانٹوں پر بھی برستے ہیں۔

مرسلہ: شاہد رشید آباد

اس ہفتے کا منتخب افسانہ

نعیمہ شہزاد نمی



عارف تم شدت سے یاد آ رہے ہو اب تو جیسے لے لے تم جا چکے ہو لیکن وہ دھک بھیلی ہوئی مسکان اور خاموش ماحول پہ میں اب تک تمہاری منتظر ہوں اس وقت موسم بھیگ رہا ہے. بارش کے موٹے موٹے قطرے ٹین کی چھت پر شور مچا رہے ہیں. آتش دان میں لال لال انگارے تمہارے عکس کی ترجمانی کر رہے ہیں! جوڑے میں لال گلاب سجائے میں تمہاری منتظر ہوں اپنے دل میں ساون کا انتظار لئے کرب لئے، اپنے سامنے تمہارے افسانوں اور غزلوں کا ڈھیر لگائے ہوئے جو سراپا المیہ ہیں. لیکن مجھے ان سے پیار ہے یہی تو زندگی ہے.

عارف! اس دنیا کی سرد مہریوں سے دور جہاں سکون ہے تم مجھے تڑپتے ہوئے دیکھ سکتے ہو. ہاں میرا علاج یہی ہے. میں تو چاہتی ہوں کہ باری تعالیٰ ہمیشہ مجھے ناکام، نامراد اور مضطرب رکھے تاکہ میں نے تمہارے ساتھ جو زیادتیاں کی ہیں ان کی کچھ تلافی ہو سکے. عارف تمہارا تصور میرے ذہن کے ساتھ چپک کر رہ گیا ہے. آج سے دو سال پہلے جب تم زندہ تھے مجھے اچھی طرح یاد ہے حنا تم پر مرا کرتی تھی. وہ ہرنی جیسی مخمور آنکھوں والی حنا جو آج بھی ساتھ والے کمرے میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بنی اپنی بے نور آنکھوں سے ماضی کے دھندلکوں میں جھانک رہی ہے. اپنی رعشہ زدہ انگلیوں سے اپنی مانگ میں سے بے رنگ سیندور کو بجھی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے. وہ آج بھی پیار کی پیاسی ہے. اس کی آنکھوں میں سجدے ہیں. تڑپ ہے. پیاس ہے. تم اسے کبھی بھی پیار نہ دے سکے. وہ بدقسمتی میں مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے ہے. ہم دو حرماں نصیب ہستیاں اس طوفانی رات میں. ایک ہی جیسے طوفانی جذبات کی دنیا سمیٹے جدا جدا بیٹھی ہیں. عارف تمہاری چاہت تمہارا پیار کتنا اچھوتا تھا. تم ایک بے حس بے نیاز، مغرور، سنگدل اور بے رحم ہستی کو محبت کی کلیاں پیش کرتے رہے. جو اس قابل نہ تھی کہ ان مقدس کلیوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لے. تم حیران ہو رہے ہو عارف کہ میں اپنے آپ کو کوس رہی ہوں. ہاں اب تک میں اپنے آپ سے تمہاری شکست کا بدلہ لوں گی اسی طرح بے چین اور مضمحل رہوں گی.

حنا تم کو بہت چاہتی تھی پوجتی تھی. ایک مقدس پجارن کی طرح. وہ اپنے من مندر میں تمہاری مورتی سجائے اپنے پاکیزہ پیار کے تازہ پھول سجاتی رہی. لیکن تم اس قابل محبت ہستی کے بجائے ایک پتھر کے صنم کو چاہتے رہے. ہاں میں سنگ دل تھی. تمہاری بے دریغ محبت نے مجھے مغرور بنا دیا تھا. میں اپنے حسن پر نازاں تھی. میں ہمیشہ تمہارے پاک جذبات کو روندتی رہی جیسے میں اندھی تھی. مگر آج قلب کی آنکھیں پائی ہیں جب تم گم ہو چکے ہو. مجھے یاد ہے ایک دن حنا خوشی سے گنگناتی ہوئی میرے پاس آئی. اور دلآویز مسکراہٹوں کے ساتھ اس نے مجھے بتایا کہ تمہارا افسانہ اول آیا ہے. اس کا خیال تھا کہ یہ سن کر تمہاری قدر میرے دل میں افزوں ہو جائے گی اور میں حنا کی قسمت پر رشک کرا کھوں گی. لیکن حنا کی توقع کے خلاف میں نے لاپرواہی سے جواب دیا. "اونہہ بڑا آیا افسانہ نگار ملا ہو گا پرائز. لیکن مجھے تو نہیں پسند اس کی تحریریں. جن میں سوائے آہوں اور سسکیوں کے کچھ نہیں ملتا. ان لمحوں کی تاریک پرچھائیوں سے معلوم ہوتا ہے وہ زندگی کو دکھوں کا گھر سمجھتا ہے اور اس کا یہ نظریہ قابل نفرین ہے. مجھے تو اس کے افسانے بالکل بور لگتے ہیں." اور حنا بو سے الجھ پڑی. اس کی لمبی لمبی نشیلی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے. شاید وہ تمہارے حق میں ایسے کلمات سن کر برداشت نہ کر سکتی تھی. مگر میں اس کے آنسوؤں سے بالکل متاثر نہ ہوئی بلکہ اس کے پاگل پن پر ہنس دی. کئی روز تک وہ نہ بولی.

ایک دن صبح صبح میں نے حسب معمول اپنی سجیلی سیاہ حاشیے والی سفید نائیلون کی ساڑھی پہنی اور پھولوں کی تلاش میں باغ کو چل دی. وہ پیارے پیارے ریشمی سفید نرگسی پھول اپنے جوڑے میں لگا کے تم سے ٹکرا گئی. تم نے پلکوں کو جھپکائے بغیر میری طرف دیکھا رہے تھے. تمہاری آنکھوں میں ہزار دکھ سمٹے تھے. مگر لبوں پر دلآمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی. میں تمہاری پرواہ کئے بغیر آگے بڑھنے لگی کہ تم نے میرا شانہ پکڑ لیا. میں رک گئی اور سوالیہ نگاہوں سے تمہیں دیکھنے لگی.

جب تم بہت دیر میں دھیرے سے بولے "دو سی نرگسی پھول بالوں میں نہ لگایا کرو" مجھے بہت غصہ آیا. میں نے تنک کر پوچھا "کیوں" تم شاعرانہ موڈ میں بولے "یہ بھی اداسی کی نشانی ہے. اور ان سے تمہارا حسن سوگوار اور بیمار بیمار سا لگتا ہے."

"ہونہہ۔۔۔ مجھے ان شاعرانہ خیالوں سے سخت نفرت ہے." یہ کہہ کر میں آگے بڑھ گئی. مجھے محسوس ہو رہا تھا تم لگاتار مجھے گھور رہے ہو برآمدے میں پہنچ کر میں نے مڑ کر دیکھا تو تمہیں واقعی اپنی طرف متوجہ پایا.

میں نے آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو واقعی مجھے اپنا حسن سوگوار سا لگ رہا تھا. میں نے اپنی آنکھوں کو مسل کر پھر آئینہ دیکھا تو پھر تمہاری بات ہی سچی معلوم دی. میں نے بالوں سے پھول نوچ ڈالے.

ایک دن میں بہت ہی خوشگوار موڈ میں تھی کیونکہ اس دن میری بہت پیاری سہیلی غزالہ آ رہی تھی. میں نے سرخ رنگ کی ریشمی ساڑھی زیب تن کر رکھی تھی. بالوں میں اسی رنگ کا گلاب کا مسکراتا ہوا پھول سجائے غزالہ کا انتظار کر رہی تھی. میرے پاس ہی انیزی چیئر پر حنا نیم دراز حسب معمول تمہارا کوئی افسانہ یا غزل پڑھ رہی تھی. وہ بھی سبز ساڑھی میں خاصی پیاری لگ رہی تھی. BEE GEES کا کیسٹ آن تھا.

تم آہستہ سے اندر آ گئے. آتے ہی مسکراتے ہوئے کہا. "دوری مبارک ہو یہ سرخ گلاب. کتنا پیارا لگ رہا ہے."

شاید پشیمان سی ہو گئی تھی. مگر میں نے تمہاری بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور میوزک سنتی رہی. TO MUCH BEE GEES کی HEAVEN مجھے بہت پسند تھا. کیسٹ ختم ہونے کے بعد تم نے ایک نعرہ LOVING SUCH A BEAUTIFUL THING کہ بار بار لگایا اور بار بار معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھتے رہے. نجانے کیوں میں گھبرا سی گئی. اتنے میں غزالہ آ گئی اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا. اس کے بعد میں نے نوٹ کیا کہ حنا ہمیشہ اپنے بالوں میں سرخ گلاب کا پھول لگاتی تھی. کتنا چاہتی تھی تمہیں.....

سردیوں کا آغاز تھا. باہر ہلکی ہلکی بارش چھتوں پر جلترنگ سا بجا رہی تھی. آسمان کی نیلاہٹ دھندلی پڑ چکی تھی. تمام ماحول بھیگ رہا تھا. سرمئی رات کا تاریک آنچل تمام کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا. آتش دان میں آگ چیخ رہی تھی. شعلوں کے سائے ہیبت ناک شکلوں کے بھوت بن کر دیواروں پر ناچ رہے تھے. میں اپنا پلو اوڑھ رہی تھی. اور حنا تمہارے لئے پوری آستین کا سویٹر بن رہی تھی.

تم آ گئے. حنا حسب معمول چہک اٹھی. اس کی انگلیوں میں سلائیاں سرعت سے حرکت کرنے لگیں. حنا نے تمہارے لئے کرسی آتش دان کے قریب کھینچ لی. تم نے اپنے آپ کو کرسی پر گرا دیا. اور حنا سے پوچھنے لگے.

"حنا میرا سویٹر کب ختم ہو گا؟"

"بس کل صبح انشاء اللہ آپ کو تیار ملے گا" حنا مسرت سے مغلوب ہو کر بولی.

میں خاموش تھی. تمہاری نگاہیں بار بار میرے چہرے کا چکر کاٹ کر لوٹ جاتی. مجھے احساس ہو رہا تھا جیسے بار بار میری انگلیاں کانپ جاتی تھیں. تھوڑی دیر بعد میں اٹھ گئی. حنا تمام شب بُنتی رہی اور دوسری صبح وہ بوجھل بوجھل سے لئے مکمل سویٹر پکڑے تمہارے کمرے کی طرف جا رہی تھی. میں اس کی بھی محبت پر رشک کرا ٹھی. وہ تمام رات جاگ کر بھی خوش تھی. کیونکہ وہ رات اس نے اپنے محبوب کے تصور کے سہارے بسر کی تھی.

وہ بچپن سے تمہارے ساتھ منسوب تھی. وہ جانتی تھی کہ تم اسے مل جاؤ گے. اس لئے اس کے دل میں تمہارے سوا اور کوئی بھی نہ تھا. اور مجھے معلوم تھا کہ تم اس کے ہو اور ایک نہ ایک دن تمہیں اس کا ہونا ہے. اس لئے میں تمہاری بے انتہا محبت محسوس کرتے ہوئے بھی بے بس رہی. کیونکہ مجھے اس کی ناکامی کا ہولناک یقین تھا.

لیکن میں نے محسوس کیا کہ تم پہلے سے بھی بدتر ہو رہے ہو. اب اکثر تمہارے بال خشک اور بکھرے ہوئے رہنے لگے. آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بہت گہرے ہو گئے. اور ان کی گہرائیوں میں خوابیدہ لکیریں ابھر آئی تھیں. تمہارے افسانوں اور غزلوں میں پہلے سے بھی زیادہ درد جھلکنے لگا. اکثر راتیں گئے تک تم بے مقصد بیٹھے سگریٹ پھونکا کرتے. ایک دن میں نے ایسے ہی کہہ دیا. عارف صاحب! آپ تو کثرت سے سگریٹ پینے لگے ہیں یہ تو آپ کی زندگی کے لئے نقصان دہ ہے.

تم دو سے کراہ کر بولے. مجھے اپنی زندگی سے نفرت ہے. کیونکہ میں ہر جلنے والی چیز سے نفرت کرنے کا عادی ہو گیا ہوں. سگریٹ تو مرا غمگسار ہے. اگر یہ میرا ساتھ چھوڑ دے تو شاید میں مر جاؤں. تمہاری آنکھوں کی تشنگی بڑھ گئی.

میں نے انجان بے نیازی سے جواب دیا کہ عارف صاحب! اب جلد ہی آپ کو حسین ساتھی ملنے والا ہے. پھر آپ کے یہ خیالات بدل جائیں گے.

میں نے دیکھا کہ تم بے حد آزردہ ہو گئے تھے تم نے مجھے ایسی نظروں سے گھورا کہ میں خود بہت پریشان ہو گئی.

شادی کی تیاریاں زوروں پر شروع ہو گئی تھیں. اب حنا ایک کمرے میں بند ہو گئی. تمام وقت کام کرتے کرتے میں تھک جاتی. ایک دن دوپہر کو بہت سا کام کرنے کے بعد میں برآمدے میں انیزی چیئر پر کر سید ھی کرنے کو نیم دراز ہو گئی. اچانک تمہارا دروازہ کھلا اور تم آہستہ قدموں سے میرے پاس آ کھڑے ہوئے. تمہاری آنکھیں پتھرائی ہوئی بے جان معلوم دے رہی تھیں. یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے تم صدیوں سے بیمار ہو. میں حیرت سے تمہارے چہرے کو تکنے لگی.

تم نے ایک الوداعی رنج آلودہ نگاہ ڈالی اور تھکے تھکے قدموں سے باہر چلے گئے. نہ جانے کافی دیر تک بے مقصد انتی پر کیوں نظریں جمائے تمہارے متعلق سوچتی رہی.

پھر تمہاری شادی کا دن آ پہنچا جس کا حنا کو شدت سے انتظار تھا. وہ دلہن بنی بیٹھی تھی اس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا. بہت پیاری لگ رہی تھی کوٹھی مہمانوں کے قہقہوں سے گونج رہی تھی. تم صبح سے اپنے کمرے میں بند تھے. میں کسی کام سے تمہارے کمرے میں گئی. دروازہ کھلا. ہر طرف دھواں پھیلا ہوا تھا. اور تمہارا سر میز پر تھا. میرے قدم دہلیز پر جم گئے. میں عجیب کشمکش کی کیفیت میں مبتلا تھی. کہ تم نے اپنا سر اٹھایا. تمہارا چہرہ بھیگا ہوا تھا. تمہاری روتی ہوئی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں. تم چند لمحوں تک مجھے دیکھتے رہے پھر تمہاری کانپتی بھیگی آواز گونجی. "دوری ادھر آؤ." میرا دل دھڑک رہا تھا لیکن نجانے کیوں میرے قدم تمہاری طرف اٹھتے چلے گئے. تمہاری اکھڑی ہوئی سانسیں بتا رہی تھیں. تم بہت دیر تک تڑپے روتے رہے ہو. پھر تم کھڑے ہو گئے. تھوڑی دیر تک مجھے خاموشی سے دیکھتے رہے. تمہاری آنکھوں میں حسرت اور بے بسی کے انتہائی نشان تھے کہ میں ان کی تاب نہ لا سکی. میں نے اپنی پلکوں کو جھکا دیا. تم دو قدم بڑھے اور مجھے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا میں زور زور سے رو پڑی. تمہاری گرفت کمزور ہو گئی. تمہارا کن کھڑے رہے میری ہچکیاں تیز سے تیز تر ہوتی گئیں.

نہ جانے کیوں تم نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور جھکے جھکے میرے قدموں میں گر گئے. میں گھبرا کر ایک دم پیچھے ہٹ گئی تم نے مجھے قریب بلایا اور مجھ سے معافی مانگی اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا "دوری مجھے تم سے بے انتہا محبت ہے. کاش تم نے ایک مرتبہ ہی کبھی مجھے محبت کی نظر سے دیکھا ہوتا. تو شاید تمہاری زندگی اس کے سہارے ہی جی لیتا." تمہاری آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں "کاش تم نے میری محبت کا مذاق نہ اڑایا ہوتا." میں اتنی کوشش کے باوجود بھی تمہیں اپنے دل سے نہ نکال پایا." تم کہہ رہے تھے. میں نے تمہیں سہارا دے کر کرسی پر بٹھایا. اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا. میں آنسو پونچھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی. نکاح کا وقت قریب آ گیا لیکن تم اپنے کمرے سے ابھی تک باہر نہ نکلے تھے. سب پریشان تھے. پاپا اور بھیا تمہیں بلانے گئے مجھے نجانے کیوں عجیب سا محسوس ہونے لگا. اتنے میں پاپا کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی. عارف کو کیا ہو گیا ہے میں دوڑی دوڑی تمہارے کمرے تک پہنچی. مگر بہت دیر ہو چکی تھی تمہارا سر میز پر تھا اور دایاں ہاتھ سینے پر تھا. بھیا نے تمہارے بے جان پیکر کو لرزتے ہوئے ہاتھوں سے اٹھا کر پلنگ پر ڈال دیا. تمہارے بائیں ہاتھ سے کوئی چیز پھسل کر نیچے گر پڑی. پاپا نے اسے اٹھایا. ان کے منہ سے چیخ نکل گئی. وہ میری تصویر تھی جس پر تمہارے گرم آنسوؤں کے داغ اپنا آخری نشان چھوڑ چکے تھے. حنا وحشت زدہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی. اور میری آنکھیں تمہاری بند آنکھوں پر لگی ہوئی تھیں. ہم ہی بتا دو عارف میں کیا کرتی. میں اپنی نظروں میں خود مجرم بنی ہوئی تھی. ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے تمہارا سرخ خون میری انگلیوں سے چپک گیا ہے. میں اپنے وجود کو سنبھالتی ہوئی اپنے کمرے میں دوڑی چلی آئی.

آج دو سال بیت گئے. حنا ابھی تک تمہاری محبت میں سلگ رہی ہے. اس کے ماتھے کی بندیا بالکل مدھم پڑ گئی ہے. آنکھوں کی چمک مر چکی ہے. اس وقت موسم بڑا سرد ہو رہا ہے بارش موسلادھار ہو رہی ہے. سرد ہوائیں خوفناک آوازیں پیدا کر کے دل میں ہول پیدا کر رہی ہیں. لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم نیلے نیلے پردوں کو ہٹا کر مجھے دیکھ رہے ہو. تم ابھی پکارو گے دوری. اور میں جھوم اٹھوں گی. میں نے بالوں میں تمہارا پسندیدہ سرخ گلاب لگا رکھا ہے. میرے ہاتھوں کی انگلیاں مفلوج ہو گئی ہیں جن سے آخری وقت میں نے تمہارے آنسو پونچھے تھے. عارف تم چلے گئے ہو مگر مجھے اپنا منتظر چھوڑ گئے ہو. کیا تمہیں یاد نہیں مجھے اپنے قریب بلا لو. عارف، اتنے قریب کہ میں تمہاری گرم سانسوں کو گن سکوں.

یہ کسی کی سسکیوں کی آواز ہے. شاید حنا رو رہی ہے. عارف بیک وقت دو زندگیاں تمہاری الفت میں جل رہی ہیں. حنا مجھ سے بہت بلند ہے وہ ہمیشہ خاموشی سے تمہیں چاہتی رہی تم اس کے سامنے میری طرف طلب بھری نظروں سے دیکھتے تھے مگر وہ برداشت کر لیتی کیونکہ وہ صرف تمہیں چاہتی تھی. عارف تمہیں اس کی محبت کا واسطہ دیتی ہوں مجھے اپنے پاس بلا لو. اب ان اونچی اونچی دیواروں میں دم گھٹنے لگا ہے. اب مجھے اپنی زندگی سے کوئی محبت نہیں رہی. میری پلکوں سے دو گرم گرم قطرے نکل کر میرے گالوں پر لکیر کھینچتے ہوئے میرے قدموں کے پاس زمین میں جذب ہو گئے.

آتش دان کی لکڑیاں سرد پڑ چکی ہیں اور کوئلوں پر سفید راکھ جم چکی ہے. مگر ان میں آنچ ابھی باقی ہے!

عورت:

عورت ایک تصویر کی مانند ہے جو جاہل آدمی کے ہاتھ لگ جائے تو اپنی کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتی لیکن صاحب دانش بیش قیمت خیال کرتے ہیں. — نپولین

چند ایک عورتیں ہی رونا شروع کر دیں تو ان کے آنسو روکنے سے زیادہ آسان کام سمندر سے طوفان کے آگے بند باندھنا ہے. — ملٹن

جرم و سزا — ترتیب : افضل پرویز

شکار پور کا ایک غریب ہاری ڈیڑھ سال پہلے اس کی آٹھ سالہ بچی اغوا کی گئی اور اب ۔ ۔ ۔ !

رپورٹ : شام یوسفی

کہانی دو سال پہلے شکارپور کے ایک چھوٹے سے گاؤں سے شروع ہوتی ہے جو کہ روایتی گاؤں تعلقہ گڑھی یٰسین میں سندھی واڈھ کے نام سے جانا جاتا ہے کہانی کا ایک کردار محمد مقبول ہے جو ایک سیدھا سادا انسان ہے اور وہ زمین کا سینہ چیر کر اپنا رزق پیدا کرتا ہے چند خاندانوں پر مشتمل اس گاؤں کی زندگی ایک لگے بندھے معمول پر نہایت سکون سے گزر رہی تھی نومبر ۱۹۷۸ء میں کہانی کا آغاز اس وقت سے ہوا جب ایک شام ایک شخص مظلومیت کی داستان سناتا اس گاؤں میں پہنچا۔ اس شخص کی عمر تقریباً چالیس سال تھی۔ بیوی اس کے ہمراہ تھی گاؤں کے لوگوں سے اس نے فریاد کی کہ بھائیوں نے جھگڑا کر کے مجھے گھر اور گوٹھ سے نکال دیا ہے اسلئے مجھے یہاں جھونپڑی ڈالنے کی اجازت دو۔ سندھی واڈھو کے سیدھے سادے رحمدل لوگوں نے اس اجنبی کو گاؤں میں رہنے کی اجازت دیدی۔ لیکن نہیں یہ شخص بالکل اجنبی بھی نہیں تھا محمد مقبول کے بھائی محمد رمضان سے اس کی پہلے سے جان پہچان تھی۔ گاؤں کی زندگی میں بظاہر کوئی بڑا تغیر نہیں آیا صرف اتنا ہوا کہ ایک دوسرے گاؤں کا رہنے والا بختیار اپنی بیوی ارباب کے ساتھ سندھی واڈھو چلا آیا۔ رمضان سے دوستی کی وجہ سے بختیار (عرف علی نواز جتوئی) مقبول کے گھر بھی آنے لگا گاؤں کے دوسرے لوگوں سے بھی تعلقات اچھے ہوتے گئے۔ اور یوں دوستی کا دائرہ بڑھتا گیا گاؤں والوں کو پتہ نہیں تھا کہ یہ دوستی کیا گل کھلائے گی!

۲۲ فروری ۱۹۸۰ء کا خوشگوار دن تھا جاتے جاڑے کی ٹھنڈک سورج کی ترچھی شعاعوں سے پگھل رہی تھی۔ گاؤں کے لوگ اپنی زمینوں پر جا چکے تھے مقبول کے گھر میں اس کی آٹھ سالہ خوبصورت بیٹی منظورہ اکیلی تھی۔ دروازے پر آہٹ سنائی دی منظورہ نے اپنے گھر کے صحن میں کھیلتے ہوئے سر اٹھا کر دیکھا تو چچا بختیار اور چچی ارباب کھڑے تھے منظورہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا "ماں گھر میں نہیں ہے" لیکن آنے والے ماں سے ملنے نہیں آئے تھے ارباب نے کہا منظورہ میرے ساتھ کھیت پر چل پالک توڑ کر لانا ہے۔ ان دونوں کی آنکھوں کو عیارانہ چمک سے لاعلم معصوم منظورہ چچا بختیار اور چچی ارباب کے ساتھ پالک توڑنے چلی گئی۔

۲۲ فروری کا وہ روشن دن آخری دن تھا جب مقبول اور اس کی بیوی نے اپنی لخت جگر کی روشن آنکھیں اور چاند سا چہرہ دیکھا اس کی میٹھی آواز سنی اور اپنے چھوٹے سے گھر کو اس کی مسکراہٹ سے آباد دیکھا۔ اس کے بعد ان کے گھر کی دنیا سے خوشیاں روٹھ گئیں رونقیں چھن گئیں مسکراہٹیں دم توڑ گئیں اور زندگی بے رونق ہو گئی ہنستی مسکراتی معصوم منظورہ پالک توڑنے گئی تو آج تک واپس نہ آئی، منظورہ ماں باپ کے جگر کا ٹکڑا ہے اس کی تلاش اور دریافت کے لئے وہ آج بھی سرگرداں ہیں۔ جو کچھ ان کے اختیار میں ہے کر رہے ہیں ہر اس جگہ فریاد کر چکے ہیں جہاں شنوائی کا امکان ہو لیکن لگتا ہے کہ انصاف کرنے والوں کی آنکھوں، کانوں اور دلوں میں مہریں لگ گئی ہیں ماں کی تڑپتی ممتا اور باپ کی بے تاب محبت اپنی جان زندگی کی تلاش میں سینکڑوں میل کا سفر کر چکے ہیں۔ اور زندگی کا اثاثہ داؤ پر لگا چکے ہیں۔ لیکن ہر فریاد انسانوں کی شکل والے چلتے پھرتے پتھروں سے ٹکرا کر ناکام واپس آ گئی ہے۔

منظورہ کے اغوا کے تیسرے دن ۲۶ فروری ۱۹۸۰ء کو مغویہ بچی کے باپ مقبول نے گڑھی یٰسین تھانے میں دفعہ ۳۶۳ کے تحت اغوا کی رپورٹ درج کرائی ملزمان دن کی روشنی میں دھوکے سے بچی کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ ایف آئی آر میں دونوں ملزموں کے نام درج کرائے گئے لیکن ڈیڑھ سال گزرنے کے باوجود پولیس بچی کو بازیاب نہ کر سکی۔ ملزم بختیار عرف علی نواز جتوئی کی تلاش شروع ہوئی تو بھید کھلتے گئے معلوم ہوا کہ اغوا کرنا اس کا پرانا کاروبار ہے اور ماضی میں بھی اس جرم میں ملوث رہا ہے اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ بختیار کے ہاتھوں اغوا شدہ کسی بھی شخص کی بازیابی اس وقت ہوئی ہے جب اس کے جانشینوں، علی حسن، رفیق محمد، اور محمد حسن جتوئی پر دباؤ ڈالا گیا (یہ تینوں افراد گھری گاؤں پیر شاہ ضلع لاڑکانہ میں رہتے ہیں) ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا مظلوم ہاری مقبول اپنی بیٹی کی بازیافت کے لئے تھانوں اور کچہریوں کے چکر لگاتا رہا پولیس کی ناز برداریاں اور خاطر مدارات کرتا رہا لیکن معصوم منظورہ ماں، باپ سے آ کر نہیں ملی ۱۹ جون ۱۹۸۱ء کو ظلم کی اس داستان پر پولیس کی لاپرواہی اور ظالموں کی کھلی چھوٹ کے حوالے سے "جسارت" میں اداریہ نوٹ لکھا گیا تو ضلع شکارپور کی انتظامیہ اور پولیس میں بھگدڑ مچ گئی! ظلم کی پرورش کرنے والوں کو شاید یہ توقع نہ تھی کہ ایک غریب ہاری کی آواز کسی قومی اخبار کے ذریعے ملک گیر سطح پر اٹھائی جا سکے گی۔ اداریہ نوٹ کی اشاعت کے بعد ڈپٹی کمشنر اور ایس پی شکارپور نے گڑھی یٰسین پولیس اسٹیشن سے اس کیس کی فائل طلب کی اور اس وقت تک کی کارروائی پر مبنی ایک رپورٹ تیار کرنے کا معاملہ سی آئی اے کے حوالے کر دیا۔ مغویہ کے باپ مقبول نے بیکری کا فیصلہ کر علیحدہ درخواست دی جو فریقین کی ذریعوں سے ہوتی ہوئی ایس پی شکارپور کے پاس پہنچی اور انہوں نے سی آئی اے کے ایک انسپکٹر منظور کو ہدایت کی کہ وہ اس کے ساتھ جا کر ملزمان کو گرفتار کر لیا جائے۔

ملزم کے گھر کا گھیراؤ کیا گیا۔ اس کے متعلقین نے کھلا جواب دیا کہ ملزم پولیس کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ پولیس جو دل چاہے کر لے۔ اور چند بدمعاشوں اور ملزم کو پناہ دینے والے افراد کی اس دھمکی سے مرعوب ہو کر شکارپور کی بہادر پولیس بغیر کسی کارروائی کے واپس آ گئی۔

کہانی اور آگے بڑھتی ہے

بیٹی ملزم بختیار نے اس پولیس آپریشن کے بعد مغویہ کو جو ماتلی کے ایک شخص حاجی چاچڑ کے ہاتھوں فروخت کر دیا مقبول کے ایک رشتہ دار نے لڑکی کو چاچڑ کے پاس دیکھا تو مقبول کو اطلاع دی۔ اور جب یہ اطلاع پولیس تک پہنچائی گئی تو لاحاصل اس داستان کے دوسرے ملزم چاچڑ کی تلاش شروع ہوئی مقبول کے رشتہ داروں نے اپنے طور پر چاچڑ سے بات کرنی چاہی تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ بچی میرے پاس نہیں ہے پولیس چاچڑ کا تعاقب کرتی رہی وہ اپنی پناہ گاہیں بدلتا رہا، بالآخر ایک دن پولیس نے اسے علی اصغر گرفتار کر لیا جب وہ جو ماتلی کے قریب دریائے سندھ پار کرنے کے لئے کشتی پر سوار ہو رہا تھا چاچڑ کو لاک اپ میں بند کر دیا گیا دوسرے دن اس کے رشتہ دار ملاقات کیلئے آئے تو چاچڑ کو سختی سے ہدایت کی کہ بچی واپس نہیں کی جائے گی تم کسی قیمت پر اقرار نہ کرنا یہ گفتگو لاک اپ میں موجود ایک دوسرے قیدی نے سنی اور وہ گواہی دے چکا ہے جب پولیس نے چاچڑ کو گرفتار کیا تھا اسی پولیس نے بغیر کسی قانونی جواز کے (غیر قانونی جواز رشوت تھا) اسے چھوڑ دیا طے کیا گیا کہ معاملہ باہمی گفتگو سے طے کر لیا جائے۔

گفتگو اور فیصلہ کے لئے ایک ثالث مقرر کیا گیا اور چانڈیو قوم کے سردار کو دونوں فریقوں نے ثالث منظور کر لیا۔ فیصلے کے دن دونوں طرف کے افراد جمع ہوئے ملزم چاچڑ کے حامیوں نے کہا کہ ہمارے کچھ اہم لوگ نہیں آ سکے۔ اس لئے آج کی کارروائی ملتوی کر کے دوسری تاریخ مقرر کی جائے دوسری تاریخ آئی تو ملزم چاچڑ سرے سے غائب رہا۔

سی آئی اے کا انسپکٹر منظور جسے اس کیس کی تحقیقات کے لئے مقرر کیا گیا ہے، الٹا مظلوم مقبول پر دباؤ ڈال رہا ہے کہ کیوں غریب بختیار اور چاچڑ کو پریشان کر رکھا ہے۔

کہانی یہاں پہنچ کر رک گئی ہے۔

اصل ملزم بختیار عرف علی نواز جتوئی بدستور روپوش ہے لیکن اس کے بھائی موجود ہیں جن پر دباؤ ڈال کر پولیس پہلے بھی اغوا شدہ افراد کو برآمد کرتی رہی ہے۔

مغویہ منظورہ کے بارے میں علم ہے کہ وہ کہاں اور کن لوگوں کے پاس ہے لیکن پولیس کارروائی کر کے اسے برآمد نہیں کر رہی اس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں پولیس نے جتنا ملزمان کی تلاش اور تعاقب وغیرہ کی تمام کارروائی مدعی مقبول کے خرچ پر کر رہی ہے۔ پولیس کی جیپ گاڑیوں کا پٹرول، پولیس والوں کا کھانا، سگریٹ چائے وغیرہ کے تمام اخراجات ایک غریب ہاری کے سر تھوپے جا رہے ہیں جو پہلے ہی حال شکستہ ہے اپنے گھر کا اثاثہ بیچ کر یہ غریب ہاری اب تک تقریباً ... ہزار روپے پولیس کی نذر کر چکا ہے۔

یہ کہانی آگے بڑھے گی۔

اس لئے کہ ظلم کی رسی دراز ضرور ہو سکتی ہے لیکن تاعمر یہ سلسلہ نہیں چلتا انصاف فراہم کرنے والے ادارے اور شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ دار پولیس ظلم کی کتنی ہی سرپرستی کیوں نہ کرے مظلوم کی آہ بالآخر رنگ لاتی ہے ہمیں بھی اس کا یقین ہے، معصوم منظورہ کو بھی اور اس کے مظلوم ماں باپ کو بھی۔

تھکے ماندے مسافر کو پیاس لگی ہوئی تھی۔ اس نے گاؤں کے ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا، ایک بچہ باہر آیا۔ مسافر نے اس سے پانی پلانے کو کہا۔ بچہ جھٹ ایک پیالے میں لسی لے کر آ گیا۔ جب مسافر پی چکا تو بچے نے کہا: "کیا اور پئیں گے؟"

مسافر پیاسا تھا اس نے کہا:

"ہاں اور لے آؤ" جب مسافر دوسرا پیالہ بھی لسی کا پی چکا تو بچہ پھر بولا "کیا اور لے آؤں"

مسافر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور جب تیسرا پیالہ بھی خالی کر چکا تو اس نے بچے سے پوچھا کیوں بیٹے! کیا آج تمہارے گھر میں لسی بہت زیادہ ہے؟

بچے نے کہا "بات دراصل یہ ہے کہ لسی کے برتن میں آج بہت سی مکھیاں گر گئی ہیں"

مسافر کو بہت غصہ آیا اس نے پیالہ زمین پر دے مارا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس پر بچے نے زور سے چلا کر کہا:

"امی امی! مسافر نے وہ پیالہ توڑ دیا ہے جس میں ہم بلی کو دودھ پلاتے تھے۔"

امریکہ

سی آئی اے کے اہم راز روس کو فروخت کرنے پر

چالیس سال قید کی سزا پانے والا جاسوس

کیلی فورنیا کی جیل سے فرار ہو گیا



مفرور جاسوس انفوی حراست میں

واشنگٹن سی آئی اے کے راز اور جاسوس سیارے کے ذریعے حاصل ہونے والی اہم معلومات روس کے ہاتھ فروخت کرنے کے جرم میں ۲۸ سالہ کرسٹوفر جان جو انفوی لسٹر کے نام سے مشہور تھا کیلی فورنیا کی جیل میں چالیس سال سے قید کی سزا کاٹ رہا تھا کہ ۲۱ جنوری ۱۹۸۰ء کو بڑے ڈرامائی انداز میں جیل سے فرار ہو گیا۔ وفاقی ادارہ تفتیش ایف بی آئی اور خفیہ پولیس مارشلز سروس کے جاسوسوں نے ۱۹ ماہ کی دوڑ دھوپ کے بعد انفوی کو واشنگٹن کی پورٹ اینجلز کے ایک ریستوران سے گرفتار کر لیا امریکہ کی حالیہ تاریخ میں کسی جاسوس کے جیل سے فرار اور گرفتاری کا ایک بڑا دلچسپ اور اہم واقعہ ہے۔ اس کی گرفتاری کے سلسلے میں امریکی مارشلز سروس نے پائلٹ کے لائسنس کے حصول کے لئے ترتیبی پروازوں کے دوران سوم تر لسٹر کی تصاویر بنا رکھی تھیں جب ایف بی آئی کے ایجنٹوں نے تفتیش کے سلسلے میں افریقہ، وسطی امریکہ اور یورپ کے ۸۰۰ افراد کے انٹرویو لئے گرفتاری کی تفصیلات بتاتے ہوئے امریکہ کے چیف ڈپٹی مارشل مسٹر رابرٹ کرانسٹن نے کہا کہ انفوی پیٹر واشنگٹن کے پورٹ اینجلز کے ایک ریستوران کے باہر اپنی پرانی کار میں بیٹھا برگر کھا رہا تھا۔ اور ساتھ ساتھ اپنی ترتیبی پروازوں کا شیڈول پڑھ رہا تھا کہ ایف بی آئی کے دو خفیہ ایجنٹوں کو طلب کیا تاکہ وہ اس کے بائیں گال پر تل کی شناخت کی تصدیق کر سکیں تین افراد کو ہاتھوں میں پستول تھامے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو لسٹر کار سے باہر نکل آیا ایجنٹوں کے ہمراہ قانونی ماہرین نے تحکمانہ لہجے میں لسٹر سے کہا برگر نیچے پھینک دو اور اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دو۔ لسٹر نے چہرے پر بدستور مسکراہٹ لاتے ہوئے ایجنٹوں سے ان کی شناخت کے بارے میں پوچھا جب انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو اس کا رنگ اڑ گیا۔ اور اس نے اپنے آپ کو ان کی تحویل میں دے دیا۔ مسٹر کرانسٹن نے بتایا کہ ایف بی آئی کے ایجنٹوں کو سب سے پہلے گزشتہ وسط جولائی میں واشنگٹن میں دوران پرواز اس پر شبہ گزرا تھا چنانچہ وہ اس کا تعاقب کرتے کرتے اولمپک پینسولا آ گئے جہاں اکثر پائلٹ رہتے ہیں دوران تفتیش ایجنٹوں کو معلوم ہوا کہ وہ بحرالکاہل کے شمال مغربی علاقے میں بینک ڈکیتی کی وارداتوں میں بھی ملوث ہے، یہ شبہ انہیں ایک پوسٹ کے لائسنس پر درج نام سے ہوا جو انفوی ری لیسٹر لکھا ہوا تھا جب کہ ایڈریس پورٹ اینجلز سے ۵۰ میل مغرب میں ایک چھوٹے قصبے نیہ کا تھا۔ لائسنس پر لسٹر کی تصویر پولیس کو مطلوب مفرور مجرم پولسن کی تھی، چنانچہ تفتیشی پارٹی نیہ گئی جہاں اسے معلوم ہوا کہ لسٹر (پولسن) نے ساڑھے چھ ہزار ڈالر سے ... فٹ لمبی بوٹ خرید رکھی ہے۔ تفتیشی پارٹی کا اندازہ تھا کہ پورٹ اینجلز کے کسی مضافاتی علاقے میں رہتا ہے اس لئے وہ فوراً یورپ سے پورٹ اینجلز پہنچی یہاں آ کر ان پر منکشف ہوا کہ لسٹر مقامی سٹوروں سے جہازوں میں استعمال ہونے والا چارٹ اور دیگر خرید رہا ہے چنانچہ ہر خفیہ ایجنٹوں نے علاقے کو گھیر لیا بالآخر جب وہ دس میل کے سفر کے بعد اپنی کار میں ریستوران کے باہر برگر کھا رہا تھا تو انہوں نے اسے گرفتار کر لیا کار کی تلاشی پر دوربین، فلیش، دو گنیں اور چہرے کو بدلنے والے دو ماسک برآمد ہوئے۔ جو غالباً بینک ڈکیتی کی وارداتوں میں استعمال ہوتے۔ امریکی مارشلز سروس نے انفوی کے پس منظر پر نظر ڈالتے ہوئے بتایا کہ وہ لاس اینجلز کے ساحلی علاقہ کیلی فورنیا کے پلیس ورڈس کے علاقے کے ایک سابق ایف بی آئی ایجنٹ کا بیٹا تھا، امریکہ کے بارے میں اس کے سیاسی نظریات جنگ ویت نام اور واٹر گیٹ سکینڈل نے متزلزل کر دیئے۔ اور وہ امریکہ سے متنفر ہو گیا انہی دنوں وہ پلیس ورڈس کے قریب ریڈونڈو بیچ میں اعلیٰ سطح کی سیکورٹی سے متعلق ایک کمپنی ٹی آر ڈبلیو میں کمیونیکیشن کلرک کی حیثیت سے ملازم تھا چنانچہ پولسن اور اس کے دوست نے میکسیکو سٹی میں روسی سفارت خانے کی مدد سے روس کو جاسوس سیاروں کی مدد سے حاصل کردہ سی آئی اے کے خفیہ راز فروخت کرنا شروع کر دیئے ۱۹۷۷ء کے اوائل میں گرفتاری سے قبل دونوں روس کو ۷۰ ہزار ڈالر مالیت کے راز فروخت کر چکے تھے اور وفاقی حکام کا خیال ہے کہ خاموش طبع اور سلجھے ہوئے اطوار کا مالک انفوی جاسوسی کے سلسلے میں بیرون ملک متعدد دورے کر چکا ہے اور اسے بعض غیر ملکی طاقتوں کی حمایت و پشت پناہی حاصل ہے اسے گرفتار کرنے کے بعد واشنگٹن کی پورٹ جیل کے ایک سیل میں بند کر دیا گیا ہے جہاں چوبیس گھنٹے اس کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے وہ اکثر سیل میں گم سم بیٹھا رہتا ہے، وہ جیل حکام کی طرف سے کوشش کے باوجود کچھ نہیں کہا رہا اس کے وکیل کا کہنا ہے کہ اس نے بھوک ہڑتال کر رکھی ہے وہ مر جائے گا۔ ادھر ڈپٹی چیف مارشل مسٹر کرانسٹن نے اس کی گرفتاری پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ انفوی کو خوش فہمی تھی کہ وہ کبھی بھی پکڑا نہیں جائے گا مگر اس سے متعدد ایسی فاش غلطیاں ہو گئیں کہ شاہین خود ہی دام میں پھنس گیا۔ ایسے لوگوں کا مزاج درست کرنے کے لئے تنہا قید ہی بہتر اصلاحی علاج ہے۔

عورت :

عورت خود ہی ایک فتنہ ہے اور اس کا لکھنا پڑھنا سیکھنا سخت ترین فتنہ ہے۔ سقراط

مرد آنکھ ہے تو عورت اس کی بینائی ہے۔ مرد پھول ہے تو عورت اس کی خوشبو ہے۔ سقراط

بقیہ
بادشاہ اور باپ

ان جنگوں کی آگ کے باہم تصادم میں دشمن بھی در پردہ شامل ہو جاتا ہے اور جلتی پہ تیل ڈالتا ہے ... ہم کفار میں گھرے ہوئے ہیں پورا عالم اسلام کفار میں گھرا ہوا ہے تم دونوں بھائیوں میں سے صرف ایک کو زندہ رہنا چاہئے ۔ عبداللہ مر جائے گا تو صرف ہم رہیں گے ۔ اگر تم دونوں زندہ رہے تو ہماری قوم کو خدا جانے کتنی عورتیں بیوہ ہوں گی ۔ خدا جانے کتنے بچے یتیم ہوں گے ، خدا جانے کتنی مائیں اپنے جوان بیٹوں کی موت پر روئیں گی ۔ ملک میں قحط پڑ جائے گا ۔ بدامنی اور بدنظمی کا دور دورہ ہو گا اور تم دونوں بھائی اپنے اپنے گروہ بنا کر حکومت حاصل کرنے میں لگے رہو گے

الحکم ! اپنے جرم عبداللہ نے کہا ہے کوئی اور کرتا تو اسے فوراً جلاد کے حوالے کر دیا جاتا ۔ تو کہتا ہے کہ میں تیرے بھائی کا یہ گناہ معاف کر دوں ۔ کیا تو اپنے خاندان کی تاریخ میں یہ ذلت شامل کرنا چاہتا ہے کہ اس خاندان کے ایک بادشاہ نے اپنے بیٹے کا بغاوت کا جرم معاف کر دیا تھا ...... میں ملک اور قوم کی خاطر اپنے بیٹے کو قربان کرتا ہوں ۔

دوسرے روز صبح عبداللہ کو جلاد کے حوالے کر دیا گیا ۔ یہ ۹۴۹ کا واقعہ ہے ۔ اسے اپنے خاندان کے قبرستان میں دفن کیا گیا ۔
یہ اس عبدالرحمٰن کا فیصلہ تھا جو سپین کا فرمانروا سلطان اور بادشاہ تھا ۔ لیکن یہ عبدالرحمٰن سوم باپ بھی تھا ۔ اس کے بیٹے کا سر جلاد نے تن سے جدا کر دیا تھا ۔ اسے استاد کا غم کر سلطنت کے کاموں کے سوا خاموشی اور اداس رہتا ۔ اسے غم نڈھال کرتا گیا ۔ گیارہ سال بعد وہ اتنا نحیف ہو گیا کہ اس نے سلطنت اپنے بیٹے الحکم کے حوالے کر دی ۔ اور گوشہ نشین ہو گیا ۔ ایک سال بعد ۹۶۱ء میں وہ خالق حقیقی سے جا ملا ۔

ایک

شخص حاتم کی بستی میں گیا لیکن رات زیادہ بیت جانے کی وجہ سے کسی اور کا مہمان ہو گیا ۔ صبح جب وہ رخصت ہو کر راستے میں کہیں حاتم سے ملاقات ہو گئی ۔ ملاقات کو ... ترس چکا تھا لیکن پہچانتا نہیں تھا ۔ حاتم نے اسے اپنی بستی کی طرف سے آتا دیکھا تو پوچھا " کیا آپ نے رات اسی بستی میں گزاری تھی ؟ "
مسافر نے جواب دیا " ہاں میں جو خیمے میں ٹھہرا تھا "
حاتم نے پوچھا " رات کس کے مہمان رہے ؟ "
اس نے جواب دیا " حاتم کے "
حاتم نے پوچھا " اس نے رات تمہیں کیا کھلایا ؟ "
مسافر نے جواب دیا " اس نے میرے لیے اپنا نہایت قیمتی اور پلا ہوا اونٹ ذبح کر دیا اور اپنا سارا وقت میری خدمت میں گزار دیا "
حاتم نے ہنس کر کہا " حاتم تو میں ہوں ۔ تم نے رات میرے ساتھ تو نہیں گزاری ، پھر تم جھوٹ کیوں بول رہے تھے ؟ "
مسافر تھوڑی دیر تک حاتم کو دیکھتا رہا پھر بولا " حاتم اس میں کیا برائی ہے ؟ جب یہ کہوں گا کہ میں حاتم کی بستی میں گیا تھا لیکن مہمان کسی اور شخص کا ہوا تو لوگ میری بات پر یقین نہیں کریں گے ۔ اس لیے میں نے خود کو سچا ثابت کرنے اور اپنی عزت بچانے کے لیے یہ جھوٹ اختیار کیا ہے "

MONTHLY

AAWAZ

P.O. BOX 2113
POSTAL STATION "B"
SCARBOROUGH, ONTARIO
CANADA M1N 2E5
TEL: (416) 267-8006
EDITOR : SOHAIL AKHTAR
PUBLISHER: Z. [illegible]

NOVEMBER, 1981

برادرانِ اسلام سے اپیل

PERMANENT MASJID IN NORTH YORK

Respected Brothers in Islam: Asalam-wa-alaikum

The Caledonia Masjid, as you know, was started in the basement of the hi-rise building, to meet the religious needs of the muslims living in this area. The space for the Caledonia Masjid was provided on a temporary basis upon approval of the Board of Directors of the hi-rise. This facility could be withdrawn at anytime, by the Board of Directors, whenever they wish or want it back.

On the other hand, the number of muslims using the Caledonia Masjid facility has increased considerably in the past years. So much so that the present space has become insufficient. This ever increasing demand of muslims in the area has created a necessity for establishment of a permenent Masjid, to meet the religious needs of the muslim Community in this area.

Having felt the pressure and the need for a Masjid, the local muslim Community had a mashwara on July 5, 1981 and the following actions and/or decisions were undertaken:

1. An Executive Committee comprising of nine members has been formed to work on the establishment of a Masjid in this area.
2. The name of this Committee was decided to be "ANJUMAN-E-MUSLIMEEN of NORTH YORK." This Committee will develop its constitution and will get itself registered to act as legal entity.
3. All the muslims living in this area are requested to become members of this Committee by paying a nominal yearly due of $25.00.
4. All the muslims present in the Masjid on the day of mashwara pledged to contribute at least $1000 each, for the New Masjid. The payment will be made according to individual convinience, but within two years time.
5. A Joint-account will be opened in trust, in the name of "ANJUMAN-E-MUSLIMEEN," and the donations will be deposited & receipts for tax purposes will be issued.
6. Subcommittees to devote time and efforts will be formed to collect donations from all possible avenues.

Great rewards in this world and hereafter have been promised in tha "HOLY QURAN" and AL-HADIS of Prophet S.A.W., for the efforts and sacrifice made in the establishment of Masjid.

Not only that we and our children benefit from this essential center of religious activities, but the generations to come Insha-Allah will benefit from it.

The time, efforts and money spent in the establishment of Masjid becomes Sadaqa-e-Jaria. So long the Masjid and its religious activities last, the multiplied Sawab goes in the account of the person who has contributed in the establishment of the Masjid, whether the person is alive or dead.

So Alhamdu-Lillah it is a unique and great opportunity for every muslim to contribute in anyway he can in the establishment of the "HOUSE OF ALLAH," to reap great rewards in this world & much more in the hereafter.

All muslims are hence urged to contribute in this great cause of Allah. Those Muslim brothers willing to contribute their time, efforts and donations (for the sake and the pleasure of Allah), could contact any of the following members of the community.

1. Br. Saeed Sheikh 782-8687 2. Br. Amanullah Khan 661-5851
3. Br. Rafi Dean 244-9425 4. Br. Ayub Mamoon 245-9724

طنز و مزاح ———— ترتیب : ساجد حفیظ

ہسپتال میں

ایک شخص نے اپنے ایک دوست سے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے۔ شاکر کافی دن تک ہسپتال میں رہے گا"۔

دوست نے پوچھا۔ "کیوں؟ کیا تم اس کے ڈاکٹر سے مل چکے ہو؟"

اس شخص نے جواب دیا۔ "نہیں مگر میں اس کی نرس سے مل چکا ہوں"۔

محفوظ جگہ

ایک نوجوان گھبرایا ہوا ایک دفتر میں گھس آیا اور بولا: "خدا کے لئے مجھے بچا لو۔ مجھے کہیں چھپا دو۔ پولیس میرا پیچھا کر رہی ہے"۔

کلرک: "میرے خیال میں فائلوں کی الماری میں آپ محفوظ رہیں گے۔ کیونکہ یہاں سے کوشش کے باوجود کوئی چیز نہیں مل سکتی"۔

بھینس یا سائیکل

ایک دیہاتی نے اپنے دوست سے مشورہ کیا "میرے پاس پانچ سو روپے ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے میں بھینس خرید لوں یا سائیکل؟"

دوست نے کہا سائیکل خرید لو۔

دیہاتی کہنے لگا "میں سوچتا ہوں بھینس ٹھیک رہے گی"۔ دوست نے ہنس کر کہا "ارے یار بھینس پر سواری کرو گے تو کیسا لگے گا"۔

دیہاتی نے کہا۔ "ٹھیک ہے مگر جب میں سائیکل کا دودھ دوہنے لگوں گا تو پھر کیسا لگے گا؟"

چاند سا ٹکڑا

دو بوڑھی خواتین آپس میں گفتگو کر رہی تھیں۔ ایک نے کہا سامنے والا مکان جس نوجوان نے کرائے پر لیا ہے اس نے مجھے چاند کہا ہے۔

دوسری بڑھیا نے حیرت سے پوچھا وہ کیسے؟

پہلی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ آج میری بیٹی صبح جب کالج جا رہی تھی تو نوجوان نے اسے دیکھ کر کہا ہائے کیا چاند کا ٹکڑا ہے۔

خوب سنائیں

شوہر: آج دفتر میں صاحب سے جھگڑا ہو گیا۔ میری ذرا سی غلطی پر انہوں نے اتنا ڈانٹا

بیگم: پھر

شوہر: پھر کیا۔ میں نے بھی وہ سنائیں



کر لیں۔

بیگم: یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ افسر کی بات تو برداشت کرنی ہی پڑتی ہے۔ اب اگر انہوں نے نوکری سے نکال دیا تو پھر۔

شوہر: کیسے نکالیں گے۔ انہوں نے وہ باتیں سنی تھوڑی ہی ہیں۔ وہ تو میں نے دل ہی دل میں کہی تھیں۔

اکیلے نہیں

ایک جوڑا سینما ہال میں داخل ہوا تو رش کی وجہ سے دونوں کو الگ الگ سیٹ پر بیٹھنا پڑا۔ لڑکی کو خیال آیا کہ شاید اس کے قریب بیٹھا ہوا نوجوان اس کے شوہر سے جگہ بدلنے کو تیار ہو جائے۔ اس نے دھیرے سے پوچھا "معاف فرمائیے کیا آپ اکیلے ہیں؟"

نوجوان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لڑکی نے سوال ذرا زور سے دہرایا۔ نوجوان پھر بھی چپ رہا۔ لڑکی نے تیسری بار یہی پوچھا تو نوجوان نے ڈرتے ڈرتے آہستہ سے کہا "اس وقت یہ ذکر چھوڑو میرا پورا کنبہ یہاں موجود ہے"۔

بلا معاوضہ

ایڈیٹر نے کہا آپ کا مضمون بہت اچھا ہے۔ اسے آپ اپنے نام سے کیوں نہیں چھپوا لیجئے

مضمون نگار بولا۔ اس لئے کہ مجھے روپوں کی ضرورت ہے۔

"اگر ساری رقم آپ کو دے دوں گا"

"اگر مضمون میرے نام سے شائع ہو گیا تو میری بیوی ساری رقم چھین لے گی"۔

ڈبل کے آدھے بچے

ایک خاتون اپنے آٹھ بچوں کے ساتھ ٹرین میں سفر کر رہی تھی۔ بچے بہت شور مچا رہے تھے۔ ایک مسافر تنگ آ کر بولا "بہن جی آپ اتنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ساتھ لے کر کیوں سفر کرتی ہیں؟ کسی کو چوٹ لگ گئی تو؟ وہ تین کو گھر چھوڑ آئی ہوتیں"۔

عورت نے تنگ آ کر کہا "تم کیا مجھے بے وقوف سمجھتے ہو؟ میں تو آدھے بچے گھر پر چھوڑ کر آئی ہوں"۔

اگر مضمون میرے نام شائع ہو گیا تو....

بٹن بند کرو

ایک فوجی آفیسر اپنی ٹیم کا معائنہ کر رہا تھا کہ انہیں فوجی کی قمیض کے کھلے بٹن کھلے نظر آئے۔ وہ فوجی کے سامنے آئے اور گرج کر بولے۔ "بٹن بند کرو"۔ فوجی ایک دم آگے بڑھا اور آفیسر کی پتلون کا بٹن بند کر دیا جو کھلا تھا۔

فارسی دان

ایک پاکستانی ایران گیا۔ اس کو فارسی بالکل نہیں آتی تھی۔ ایک روز وہ ہوٹل کی سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ سامنے سے بیرا آ گیا۔ بیرے نے پوچھا "آقا کجا می روی؟ (جناب کہاں جا رہے ہیں؟)"

وہ صاحب بہت گھبرائے۔ لیکن سوچ کر جواب دیا "منہ بھر دیں"۔

ڈھلوان

کلاس میں شرارت کرنے پر استاد نے بچوں کو لٹا کر ٹانگیں چلانے کی سزا دی۔ سب بچے ٹانگیں چلا رہے تھے کہ اتنے میں ایک بچے نے تھک کر ٹانگیں چلانا چھوڑ دیں۔

استاد نے پوچھا "کیوں ناصر! تم نے ٹانگیں چلانا کیوں چھوڑ دیں ہیں؟"

ناصر نے جواب دیا "سر وہ ڈھلوان آ گئی ہے"۔

سچی قسم

بیگم صاحبہ نے گوالے سے کہا کہ تم کھا کر کہو کہ تم دودھ میں پانی نہیں ملاتے۔

گوالے نے قسم کھاتے ہوئے کہا دودھ میں پانی نہیں ملاتا۔

بیگم صاحبہ نے گرج کر کہا تم نے جھوٹی قسم کھائی ہے۔ گوالے نے کہا جی میں نے جھوٹی قسم نہیں کھائی میں تو دودھ میں برف ڈالتا ہوں۔

طلسمی بال

بچے اپنے ماں باپ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک بولا میری ممی کے بال بے حد خوبصورت ہیں۔ ڈیڈی اکثر تعریف کرتے ہیں۔ دوسرا بولا میری امی کے بال ایک دم سنہرے ہیں رات کو چمکتے ہیں۔

تیسرے سے نہ رہا گیا بولا۔ یہ تو کچھ بھی نہیں میری ممی کے بال تو اتنے لمبے ہیں کہ

سردیوں میں انہیں شال کی طرح اوڑھ سکتی ہیں۔

چوتھا بھلا کیوں چپ رہتا۔ جھٹ بولا میری ممی کے بال تو جادو کے ہیں جب جی چاہا سر پر رکھ لئے جب جی چاہا ڈریسنگ ٹیبل پر ڈال دیئے۔

میٹھے بول میں جادو ہے

مکان کے دروازے میں کھڑی ہوئی نوجوان عورت سے جب ایک فقیر نے مالی مدد کے لئے التجا کی تو عورت اس سے کہنے لگی دیکھو تم جوان ہو، تندرست ہو کام کاج کر کے کما سکتے ہو پھر بھی تم دو روٹی کے لئے اپنی ساری زندگی اس طرح برباد کر رہے ہو۔

فقیر بولا آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ محترمہ بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے مگر ذرا خود کو بھی دیکھئے آپ اتنی حسین ہیں کہ آسانی سے فلموں میں ہیروئن بن سکتی ہیں لیکن پھر بھی گھر گرہستی میں اپنی زندگی برباد کر رہی ہیں۔

عورت نے کہا ٹھہرو میں ابھی تمہیں کچھ پیسے بھی دوں گی اور کھانے کے لئے بھی۔

ضرورت پیشہ

ایک بھکاری نے ایک دولت مند عورت سے کہا کیا آپ اپنے صاحب کا کوئی بہت پھٹا پرانا کوٹ مجھے دے سکتی ہیں؟ عورت بولی مگر تمہارا اپنا کوٹ جو بالکل نیا جیسا معلوم ہوتا ہے۔

بھکاری نے کہا میں جانتا ہوں مگر یہی کوٹ میرا سارا دھندا چوپٹ کئے دے رہا ہے۔

ماضی کی نشانی

نیویارک کا ایک باربر ایک ہپی کے بال کاٹ رہا تھا۔ اس کے بال بہت بڑھے ہوئے تھے۔ اچانک باربر نے اس ہپی سے سوال کیا "کیوں جناب! کیا آپ کبھی نیوی میں تھے؟"

"ہاں ہاں" ہپی نے جواب دیا "لیکن تمہیں کیسے پتہ چلا؟"

باربر نے جواب دیا "ابھی ابھی مجھے آپ کے بالوں کے نیچے ایک سفید نیوی کیپ نظر آئی ہے"۔

دور اندیشی

میلسی ٹاؤن پل سے ایک گدھا گاڑی والا گذرا تو وہاں پر تعینات عملے نے ٹول ٹیکس کے طور پر اس سے تین گنا معاوضہ وصول کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ موجودہ انتظامیہ کے تحت تمہیں تین ٹکٹ لینے پڑیں گے۔ ایک اپنا، ایک گدھے کا اور ایک گدھا گاڑی کا۔ گدھا گاڑی والے نے کچھ دیر تو احتجاج کیا لیکن جب اس نے دیکھا کہ کوئی شنوائی نہیں ہوتی تو خاموشی سے معاوضہ ادا کر کے چلا گیا۔

شام کو وہ اس حال میں واپس ہوا کہ گدھا اس کی گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ خود گدھے کی جگہ جتا، ہانپتا کانپتا ہوا گدھا گاڑی کو کھینچ رہا تھا۔

ٹول ٹیکس وصول کرنے والا عملہ اس سے تین گنا ٹیکس وصول کرنے آگے بڑھا۔

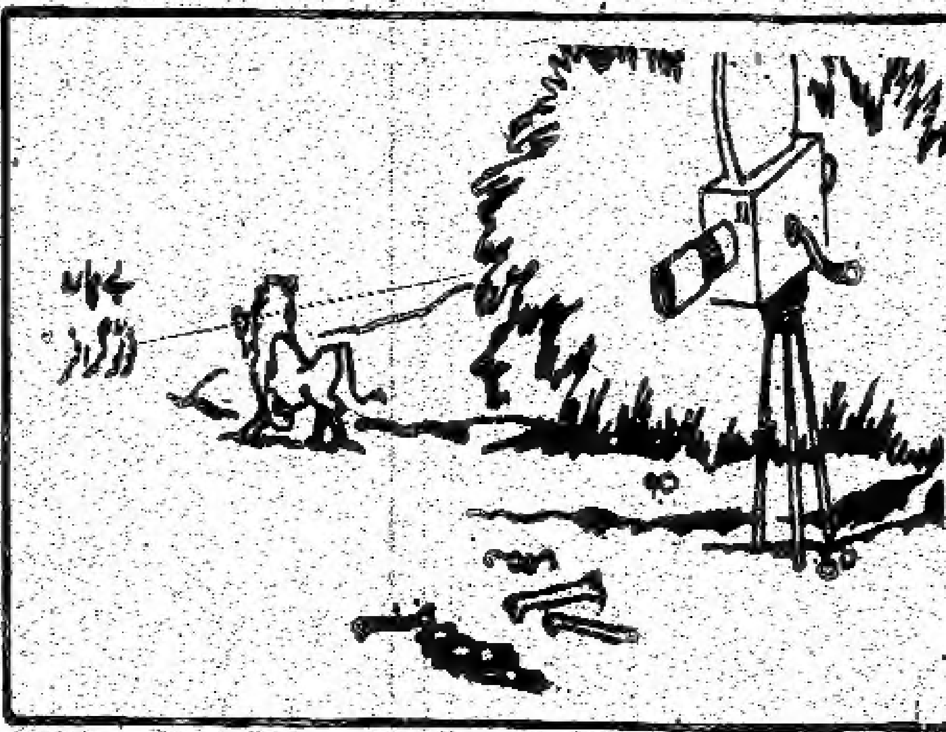
"مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں" اس شخص نے منہ بنا کر کہا "جو طلب کرنا ہو اپنے معزز بھائی سے طلب کرو"۔

بہترین

قواعد کی رو سے صفت کے تین درجے ہوتے ہیں۔ اچھا، بہتر، بہترین۔ شادی کے بعد شوہر نے اپنی بیوی سے جو مقامی اسکول میں قواعد پڑھاتی تھی بڑے رومانی انداز میں کہا "تم بہترین لڑکی ہو"۔

بیوی چہک کر بولی۔ "اچھا، باقی دو لڑکیاں کون تھیں؟"





دنیا کی ہر چیز کا تریاق خود اسی میں مضمر ہے لیکن عورت کو شکست نہیں دے سکتی۔ شیکسپیئر

گاندھی پر فلم

فلم پر دھماکہ

فلم ہندو جنونیوں کی مار دھاڑ سے بھرپور مکالموں کے ذریعے وہ سب کچھ ظاہر کرتی ہے جو تقسیم برصغیر کے وقت مسلمانوں کے ساتھ ہوا



سنہ ۱۹۶۱ء تک رچرڈ ایٹنبرو نے ۲۴ فلموں میں اس قدر خوبصورت پرفارمنس کا مظاہرہ کیا تھا کہ اس کی فلموں کی نمائش کے دوران سینما ہالوں میں کھڑے ہونے کی جگہ نہ ملتی تھی۔ مسلسل تین شوز "دو غریبوں کا اتحاد" اور "رات کی ظلمات" میں جاندار اداکاری کے بعد خوبانی ڈنڈا اس کا منتظر تھا اور رچرڈ سے متواتر مطالبہ کیا جارہا تھا کہ وہ عظیم سمگلنگ میں جمیز گارڈنر کے ساتھ مل کر کام کرے یہ فلم ۱۹۶۲ء میں تکمیل پذیر ہوئی تھی اور سنہ ۱۹۶۳ء میں اس نے کامیابی کے نئے ریکارڈ قائم کئے تھے اور مشکل ترین اداکاری سے منہ موڑ کر رچرڈ اب سپر سٹار بن چکے تھے اور ہر جگہ ان کے نام کی دھوم مچی ہوئی تھی۔

اسی دوران میں لوئیس فشر کی کتاب گاندھی رچرڈ کے ہاتھ لگ گئی۔ اور اس کے آخر تک پہنچتے ہوئے رچرڈ نے یہ مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی پوری قوت صلاحیت اور عزم و ارادے کو کام میں لا کر گاندھی پر فلم بنائے گا۔ لیکن اسے یہ احساس کھائے جارہا تھا کہ اسے فلموں میں بطور اداکار کام کرنے کا تو تجربہ ہے لیکن پروڈکشن سے کوئی واسطہ نہیں اور اس فلم کا پروڈیوسر جب تک وہ خود نہ ہے۔

رچرڈ نے اب پروڈیوسر بننے کی ٹھان لی اور اپنے بعض دوستوں سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ بعض فلمیں بنا کر مارکیٹ میں لانا چاہتا ہے اس لئے وہ دست تعاون بڑھائیں اور فلموں سے آمدنی کے حصول تک کمیشن کا تقاضا نہ کریں۔ اس طویل عرصہ میں رچرڈ زیادہ فلمیں تو نہ بنا سکا لیکن اس نے خیر معمولی مہارت ضرور حاصل کر لی۔

اس دوران کبھی کبھی اس کی بیوی شیلا سیم جو رچرڈ کی معروف فنکارہ بھی ہے۔ اسے کہا کرتی "اچھا اب تم بھی فلم بناؤ گے" اور وہ جواباً کہتا کیوں نہیں ابھی تو اب مجھے بھی محسوس کرتا ہوں کہ ملے

اور تم دونوں کیمرے کے سامنے کھڑے ہو۔ لطف یہ ہے کہ رچرڈ یہ ساری جان گسل محنت گاندھی والی فلم کی خاطر کر رہا تھا۔ ۱۹۶۹ء میں اس نے ایک اور فلم بنانے کا اعلان کیا تاکہ اسے پروڈکشن کا پورا تجربہ حاصل ہو جائے۔ اور اگر پہلے تجربات میں کوئی کمی رہ گئی ہے تو وہ بھی پوری ہو جائے گی۔

یہ فلم پہلی جنگ عظیم کے مختلف واقعات پر محیط تھی اور اس کا نام تھا "لفیف منہ جنگ"۔ ۱۹۶۹ء سے لے کر ۱۹۸۰ء تک وہ "گاندھی" کی تیاری میں بھی مصروف رہا، اور اس کے ساتھ وہ تاریخی فلمیں "نوجوان ونسٹن" اور "پل بہت دور ہے" بنائیں اور فلموں کی نمائش کے بعد وہ گاندھی کی شوٹنگ کر سکتا تھا۔ مگر بعض مشکلات آڑے آگئیں وہ خود کہتا ہے۔

• کئی مرتبہ میں نے اس منصوبے کو عملی شکل دینے کا ارادہ کیا۔ مگر مشکلات کچھ اس طرح آئیں کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں سطح آب پر تیر رہا ہوں۔ اور سمندر کی موجیں مجھے ادھر ادھر دھکیل رہی ہیں۔ پھر کہتے ہیں۔

• ان مشکلات کے دوران کبھی میں اپنے آپ کو غریبانہ محسوس کرتا ہوں اور کبھی تحت الثریٰ میں۔ بنیادی مسئلہ سرمایہ کاری تھا۔ رچرڈ نے برطانیہ کے وزرائے بار دیکھ کر سوائے چند ایک کے کسی نے معاونت نہ کی بلکہ بعض نے تو اسے مجنوں کے خطاب سے نوازا مگر سچ یہ ہے کہ عظیم کاموں کی راہ میں رکاوٹیں بھی بڑی عظیم حائل ہوتی ہیں۔

برطانیہ کی ماگمک اینڈ کمپنی کے پریذیڈنٹ نے ایک مرتبہ اس سے کہا۔

• بھارت میں تمہیں اس فلم کی اجازت کون دے گا۔ ہندو تو گاندھی کا بہت احترام کرتے ہیں۔ پھر اسے دیکھے گا کون۔ میں اور تم؟

مگر ان باتوں کے باوجود وہ حوصلہ نہ ہارا اور "وارلی ف ناوک" کی کمپنی پر دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کی امیدیں بر آئیں اور مذکورہ کمپنی کے پریذیڈنٹ نے اپنے وکیل کو معاہدے کے کاغذات لانے کے لئے کہا اور اگلے ہی دن اس فلم پر کام شروع ہو گیا۔ انہی ایام میں ایک اور کمپنی پرامانٹ نے بھی رچرڈ کو سرمایہ کاری کی پیشکش کی مگر یہ شرط عائد کی کہ رچرڈ خود اس فلم میں "ہیرو" کا کردار ادا کرے مگر اس نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا رچرڈ نے خود پیش آمدہ مشکلات کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) اداکاروں کا انتخاب

(۲) مکالمات کی بار بار کتابت

(۳) ضروری سرمایہ کاری کی فراہمی

(۴) ہندوؤں کی طرف سے اس منصوبے کی مخالفت

اس ضمن میں ۱۸ سال بیت گئے اور برطانوی کمپنی نے ۱۰ ملین ڈالر ان کے سپرد کر دیئے تاکہ فلم کے کام کو آگے بڑھائیں یہ رقم اصل بجٹ کا پانچواں حصہ تھی۔ ابھی سے اتنا خرچ ہوا کہ اس فلم کا خواب شرمندہ تعبیر ہونے کا مرحلہ آگیا۔

۱۹۷۹ء میں اندرا گاندھی نے رچرڈ سے ملاقات کی۔ اور فلم کے بارے میں استفسار کیا رچرڈ نے بتایا کہ اب بڑا سرمایہ تو فراہم ہو گیا ہے مگر آخری اخراجات کے لئے بجٹ کا بڑا حصہ ہنوز حل طلب ہے۔ اس پر بھارتی وزیر اعظم نے اپنے خصوصی اختیارات سے کام لیتے ہوئے بھارتی فلم انڈسٹری کو ہدایت کی کہ وہ اس فلم کے لئے ۱۰ لاکھ ڈالر کا اہتمام کریں۔

بھارتی پروڈیوسر حلقوں نے اس پر شدید احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ ایک اجنبی پروڈیوسر کے لئے اتنی رقم مہیا کرنے پر حکومت کس طرح رضامند ہو گئی ہے۔ جب کہ مقامی پروڈیوسروں کو سرمایہ کاری کرنے والا کوئی فرد نہیں تھا۔ آخر اس پر اتفاق ہو گیا کہ بعض خاص سرمایہ داروں سے یہ رقم لی جائے اور انڈین فلم انڈسٹری بھی اس میں اپنا حصہ ادا کرے صرف شرط یہ ہے کہ ہندو پروڈیوسرز کے مختلف کردہ مرحلے میں سے کوئی رقم نہ لی جائے۔ رچرڈ نے فوراً ۱۰ کے قریب ٹیکنیشن اور آرٹسٹ انڈیا بھجوا دیئے مگر ان کا یہاں آنا تھا کہ ایک طوفان کی دھما کہ ہوا اور ہندوؤں کے مذہبی لیڈروں نے اپنے تاریخی زعیم پر بننے والی فلم کی شدید مخالفت شروع کر دی اور

یہ مخالفت اب تک پیش آنے والی رکاوٹوں میں سب سے شدید تھی۔

لیکن اب چونکہ وہ ان لوگوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا اس نے مذہبی جنونیوں کی اس مخالفت کو توڑنے کے لئے ذرائع ابلاغ کا کھل کر استعمال کیا اور بھارتی ٹیلی ویژن پر گاندھی فلم کا ٹریلر نشر کروایا اور بتایا کہ اس سے مہاتما گاندھی کی کسی بھی رنگ میں تحقیر مقصود نہیں ہے انہوں نے کہا کہ

"میں اس شخص کا اسی طرح احترام کرتا ہوں جیسا کہ آپ کرتے ہیں۔ میں اس بات کا التزام کروں گا کہ ان کی زندگی اور افکار پر کوئی آنچ نہ آئے آپ مجھے فلم بنانے دیں پھر آپ تعجب کریں گے کہ میں کس طرح آپ کی توقعات پر پورا اترا ہوں"۔

آخر رچرڈ کو گرین سگنل مل گیا۔ اور اس کا خیال تھا کہ گذشتہ سال یہ فلم مکمل ہو جائے گی مگر ایسا نہ ہوا۔ اب خیال ہے کہ آئندہ ماہ اکتوبر میں یہ فلم تکمیل پذیر ہو جائے گی اور ۱۹۸۲ء کے موسم بہار میں اسے نمائش کے لئے پیش کر دیا جائے گا۔

اس فلم میں کام کرنے والے اداکاروں کی اکثریت ہندوؤں کی ہے مگر رچرڈ نے جن فنکاروں کا انتخاب کیا ہے وہ ان معروف لوگوں میں سے نہیں جنہیں لوگ آئے دن دیکھتے رہتے ہیں بلکہ وہ ان فنی ماہرین سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں ہندو پروڈیوسروں نے تیار کیا ہے، سایا جیسے کہ



دینال سن، اور رشیم بنیگال ان لوگوں کے ساتھ کام کر رہے ہیں اتنی بیرکنز، جان ہیرٹ اور اندریس برگن جیسی مایہ ناز ہستی رہ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں میں سے گاندھی کا کردار کون ادا کرے گا

رچرڈ نے اس کام کے لئے تھیٹر کے مشہور آرٹسٹ اور اداکار بن کنگسلی کا انتخاب کیا ہے جس کا نام تھیٹر سے باہر کبھی کسی نے سنا بھی نہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس کے اور گاندھی کے درمیان غیر معمولی مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے۔ اور پھر وہ آدھا ہندی اور آدھا برطانوی ہے مگر رچرڈ کو اس کا پتہ ان کے انتخاب کے بعد ہی لگا ہے۔

شیر خاں کی اختتامی شوٹنگ اقبال حسن پر چند مناظر کی عکس بندی کر کے مکمل کر لی گئی

لاہور، ہدایت کار یونس ملک نے اپنی رنگین پنجابی فلم "شیر خاں" کی عکس بندی مکمل کر لی یہ اختتامی کام آرٹ ڈور میں اقبال حسن پر ایک نغمہ اور چند مناظر کی عکس بندی کر کے مکمل کیا گیا۔ واضح رہے کہ اقبال حسن اس فلم میں "شیر خاں" کا مرکزی کردار ادا کر رہے ہیں "شیر خاں" کے مصنف ناصر ادیب ہیں جبکہ دیگر وجاہت عطرے اور عکاس مسعود بٹ ہیں جب کہ دیگر کرداروں میں سلطان راہی، انجمن، مصطفیٰ قریشی، اقبال حسن، حبیب الیاس کاشمیری اور بہار کے نام قابل ذکر ہیں۔





بن کنگسلی "گاندھی" کی شوٹنگ کے دوران

صبح کشتی میں شور مچا تھا کہ میں لٹ گیا، تباہ ہو گیا، لوگوں نے پوچھا۔

"خیر تو ہے، کیا بات ہوئی؟" کچھ تھا تو سستی مگر عام آدمی تھا کسی طالب کا ملازم تھا ایک بلاٹ لگی تھی کہ میں غریب آدمی لٹ گیا۔

کشتی کے سب ہی مسافر ایک جگہ جمع ہو گئے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کیا بات ہے، کسی کو کچھ معلوم ہوتا تو بتاتا کہ کیا بات ہوئی۔

کشتی بہت بڑی تھی۔ اچھا خاصا جہاز مسافروں کی بہت بڑی تعداد تھی، عورتیں بھی تھیں بچے بھی تھے، انہی میں ایک طرف ایک بڑے عالم فاضل اللہ کے بندے بھی بیٹھے تھے شور سن کر پکار کی آواز انہوں نے بھی سنی۔ پوچھا

"کیا معاملہ ہے؟"

رونے پیٹنے والے کو سمجھا بجھا کر جب بات پوچھی گئی تو اس نے کچھ یوں کہا۔

"غریب مسافر ہوں ایک تھیلی تھی زندگی بھر کا سرمایہ تھا میں نے چھپا کر رکھا تھا کوئی ظالم وہ تھیلی چرا لے گیا۔"

سب کو یہ سن کر بہت افسوس ہوا۔ آخر پوچھنے والوں نے یہ بھی پوچھا کہ کتنا مال تھا تھیلی میں؟ اس نے بتایا کہ ایک ہزار اشرفیاں تھیلی میں تھیں ایک ہزار اشرفی بہت بڑی رقم ہوتی ہے جس نے سنا اسے افسوس ہوا۔

کچھ لوگ مل بیٹھے کشتی کے مالک کو بلایا۔ سارا ماجرا اسے کہہ سنایا اس نے کہا۔

"اگر تھیلی کشتی میں گئی ہے تو پتہ چل جائے گا۔ میں سب مسافروں کی جھڑتی لیتا ہوں۔"

آناً فاناً یہ خبر سارے جہاز میں پھیل گئی کہ کشتی والا تمام مسافروں کی جھڑتی لے رہا ہے مگر کسی کے پاس گمشدہ تھیلی نہ نکلی اب لوگ اس شخص پر پلٹ پڑے طرح طرح سے چرچ ہوئی اور ہوتے ہوتے سب کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص جھوٹا تھا۔ جھوٹے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے سب اس کو برا بھلا کہہ کر اپنی اپنی جگہ جا بیٹھے۔

جھوٹا پیٹ پٹا کر اپنی جگہ جا بیٹھا۔ جب تک سفر جاری رہا مسافر اسے پھٹکارتے رہے۔ جھوٹ، دھوکہ، فریب کبھی چھپ نہیں سکتے۔ ان کے نتائج ہمیشہ برے ہوتے ہیں اور سخت بھی۔ اللہ ان برائیوں کا بدلا اسی دنیا میں دے دیتا ہے

ہوا یہ کہ جب سفر شروع ہوا تو یہ جھوٹا پھرتا پھراتا جہاز میں سیر گشت کرتا ان عالم فاضل اللہ کے بندے کے پاس بھی پہنچا پھر تو بس ان کی خدمت میں رہنے لگا انہیں کیا پتہ تھا کہ یہ دل میں کیا ارادہ لئے بیٹھا ہے۔ وہ اس کے اخلاق درست کرنے اور اسے اللہ رسول کی باتیں بتانے میں لگے رہے اور وہ چھپا کر اپنی گھات میں لگا رہا۔ آخر ایک دن اسے معلوم ہو گیا کہ ان اللہ کے نیک بندے کے پاس ایک تھیلی میں ہزار اشرفیاں پڑی ہیں۔ لالچ آدمی کی عقل ٹھکانے نہیں رہنے دیتی اب اس جھوٹے فریبی کو ہر لمحہ یہ فکر کھانے لگی کہ کس طرح ہزار اشرفی کی تھیلی اڑا لے جب کوئی اور تدبیر نہ بن آئی تو اس نے وہ ڈرامہ کھیلا کہ سب لوگوں کو پریشان کر گیا۔ تمام مسافروں کی تلاشی دینی پڑی۔ تلاشی ان عالم فاضل کی بھی ہوئی لیکن کسی کے پاس سے تھیلی نہ نکلی۔

جب دریا کا سفر ختم ہوا اور کشتی کنارے لگی تمام مسافر اتر گئے تو اس جھوٹے نے ان اللہ کے نیک بندے سے پوچھا

"کیا آپ نے مجھ سے جھوٹ کہا تھا کہ آپ کے پاس ہزار اشرفیوں کی تھیلی تھی؟"

انہوں نے کہا۔ "نہیں"

اس نے پوچھا۔ "پھر وہ تھیلی گئی کہاں؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "جب تو نے اپنی تھیلی گم ہو جانے کا ڈھونگ رچایا تو میں سمجھ گیا کہ تو نے میری تھیلی ہتھیانے کے لئے یہ سب کھیل کھیلا ہے تھیلی میرے پاس سے نکلی تو سب کو یقین ہو جاتا کہ میں چور ہوں۔ صلح صفائی کا موقع تو بعد میں آتا لیکن میرے منہ پر ہر ایک مجھے برا بھلا کہتا اس لئے میں

نے چپکے سے وہ تھیلی دریا میں ڈال دی۔"

جھوٹے نے کہا۔ "ہزار اشرفیاں آپ نے دریا میں ڈال دیں۔۔؟"

جواب ملا "ہاں"

اس نے کہا۔ "تب تو آپ کا بڑا نقصان ہوا"

جواب ملا "نیکی کا بدلہ برائی سے دینے والے میرے ظالم دوست اہمیت دولت کی نہیں عزت کی ہے"

ارشاد فرمانے والے تھے امام کرخانی

ایک لڑکی سے فرمایا لوگ آتے ہیں لوگ کہے گئے ہیں جو تمہاری تعریف و توصیف میں مبالغے سے کام لیتے ہیں بیشتر نے خاموشی اختیار کی لیکن جنید نے جواب دیا۔ "تعریف و توصیف کرنے والے کی عزت ہی کرنا چاہیے کیونکہ یہ ان کے دل کا خلوص ہی تو ہے جو انہیں ہماری مدح سرائی پر مجبور کر دیتا ہے"

آپ نے فرمایا۔ "یہ جھوٹ ہے۔ جو شخص دوسرے کو پیارا کہے وہ پہلے سرے کا جھوٹا ہے۔ پھر وہ شخص کس طرح سچا ہو سکتا ہے جو تمہیں تم سے بڑا کہہ رہا ہو!"

سوچنے والا بھی آدمی



ـ بھائی یہ کیا بیچ رہے ہو؟

ـ میاں جی! یہ خربوزے ہیں تین روپے کا سالم لے لو، چکنے ہیں، اعلیٰ ہیں، جالی ہے، ان کا ذائقہ ہے۔

(خربوزہ بستیوں میں گھومتا ہوں اور یوں کھاتا کماتا ہوں۔)

آپ جانیں شہر ہے کہ شیطان کی آنت کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ خربوزے میں بنا کر نے بازاروں کی بڑی بڑی دکانوں تک جانے سے رہے، سو ان کے گھر در پہ ان کی پسند کا گھر لے جاتا ہوں اور اللہ برکت دے رہا ہے۔

ـ کچھ کم نہیں ہے؟

ـ میں کر تنگی نہ سہی سہی ہے وہ اپنی توند کی نیند اور حق حلال کی کمائی سے ٹھوک بجا کر اور ناپ تول کر مال خریدتے ہیں۔



اپنی پڑوسی خاتون سے ہنسی ہنسی میں باتیں کر رہی تھیں کہ مخاطب خاتون نے باتوں کے خاتمے پر سوال کیا۔

"پھر کیا ہوا؟"

خاتون نے ناگواری سے جواب دیا۔ "میں اس کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتی میں نے اپنی پڑوسی خاتون سے جتنا سنا تھا پہلے ہی اس سے زیادہ بتا چکی ہوں!"

NOVEMBER 7, 1981

THE MESSENGER
FORTNIGHTLY NEWSPAPER
پیغامبر
P.O. Box 2114, Station B, Scarborough, Ont. Canada M1N 2E5
Editor & Publisher SOHAIL AKHTAR
Tel. (416) 267-8006
VOL: 5 NO. 21